استاد شہید مرتضیٰ مطہری

عبادت و نماز

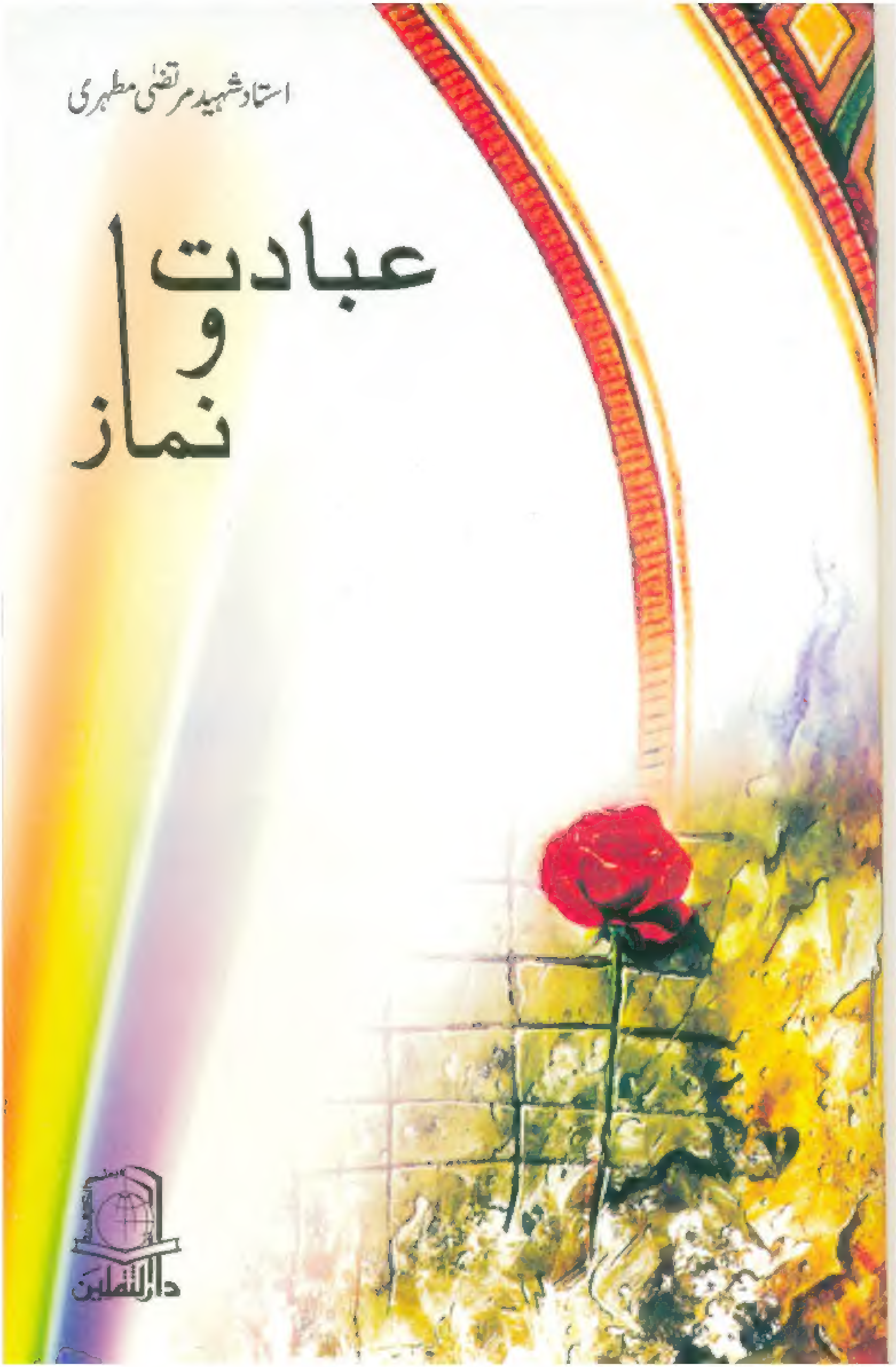

دار الثقلین

عبادت و نماز

استاد شہید مرتضی مطہریؒ

ترجمہ

سید سعید حیدر زیدی

یکے از مطبوعات

دار الثقلین

پوسٹ بکس نمبر ۲۱۳۳۳- کراچی ۷۴۶۰۰- پاکستان

فہرست

عرض ناشر ۵

عبادت و نماز (۱) ۷

نماز کی اہمیت ۸

زاہد اور صوفی نما لوگ ۱۰

دین کے بارے میں ایک غلط تصور ۱۳

علی ایک جامع الصفات ہستی ۱۶

مرد مسلمان کی بعض نمایاں صفات ۲۰

معنویات کو خفیف نہ سمجھئے ۲۵

عبادت و نماز (۲) ۳۵

عبادت اور تربیت ۳۶

ایمان کی تاثیر ۳۸

عصمت اور ایمان ۴۳

اسلام دنیا اور آخرت کا جامع ۴۶

خدا کی کبریائی ۵۳

اہل خانہ کے حوالے سے ذمے داری ۵۸

عرض ناشر

زیر نظر رسالہ عبادت اور نماز کے موضوع پر استاد شہید مرتضیٰ مطہری کی دو تقاریر کا مجموعہ ہے۔ یہ تقاریر ۲۳ اور ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ کو حسینیہ ارشاد تہران میں کی گئیں۔ ان تقاریر میں شہید مطہری نے اسلام میں عبادات و معنویات کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے، خداوند عالم پر ایمان اور عبادات کے تربیتی اثرات پر گفتگو کی ہے اور فقط انہی میں ڈوب کے رہ جانے یا انہیں یکسر نظر انداز کر دینے کی نفی کرتے ہوئے اسلام کے ایک جامع اور دنیا و آخرت دونوں کی کامیابی اور فلاح کے طالب دین ہونے کی وکالت کی ہے۔

تقریر اور تحریر اپنے خیالات دوسروں تک پہنچانے کے دو ذرائع ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا اپنا علیحدہ انداز اور مخصوص اثر ہوا کرتا ہے۔ مقرر اپنی حرکات و سکنات اور چشم و ابرو کی جنبش کے ذریعے بھی پیغام دیتا ہے، جبکہ تحریر اس سہولت سے محروم ہوتی ہے۔ لہٰذا کسی تقریر کو اسکی پوری تاثیر کے ساتھ قلم بند کرنا ممکن نہیں۔ زیر نظر تقاریر کا ترجمہ کرتے ہوئے کوشش کی گئی ہے کہ انکا تقریری انداز بھی محفوظ رہے اور ان میں کی جانے والی گفتگو بھی تحریر کی صورت میں پوری پوری پہنچ جائے۔ ہم اس کوشش میں کس حد تک کامیاب رہے اس سے ہمیں قارئین مطلع کریں گے۔

امید ہے ہماری دوسری مطبوعات کی طرح یہ مختصر کتابچہ بھی قارئین سے سند قبولیت پائے گا۔

❁❁❁

عبادت و نماز

(۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰهَ ذِکْرًا کَثِیْرًا ہ وَّسَبِّحُوْهُ بُکْرَةً وَّاَصِیْلًا (سورۂ احزاب ۳۳ - آیت ۴۱،۴۲)

''ایمان والو! کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کیا کرو اور صبح و شام اسکی تسبیح کیا کرو۔''

نماز کی اہمیت

ہم اپنے مذہبی مضامین میں بعض ایسی چیزیں بھی دیکھتے ہیں جو کچھ اذہان میں عبادت کے موضوع پر سوالات پیدا کرتی ہیں۔ مثلاً نماز کے بارے میں ہم سے کہا جاتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا ہے یا ائمہ اطہارؑ (۱) کا فرمان ہے کہ: اَلصَّلوٰةُ عَمُودُ الدِّیْنِ (نماز دین کا ستون ہے۔ وسائل الشیعہ - ج ۳ - ص ۲۳ - ح ۱۲)

یعنی اگر ہم دین کو ایک نصب شدہ خیمہ سمجھیں، جس میں اس کی چادر بھی ہے، طناب بھی، حلقہ بھی، زمین میں گڑی ہوئی بڑی بڑی کیلیں بھی اور ایک ستون بھی جس نے اس خیمے کو کھڑا کیا ہوا ہے، تو نماز اس نصب شدہ خیمے کے ستون کی مانند ہے۔

---

(۱) کیونکہ یہ چیز پیغمبرؐ کے کلمات میں بھی پائی جاتی ہے اور ائمۂ اطہار علیہم السلام کے فرمودات میں بھی موجود ہے

حدیث نبویؐ میں، جو خود رسول کریمؐ سے نقل ہوئی ہے، خاص طور پر اسی بات کی بالکل اسی طرح وضاحت کی گئی ہے، جس طرح ہم نے آپ کی خدمت میں عرض کیا ہے۔

نماز کے بارے میں روایت ہے: اِنْ قُبِلَتْ قُبِلَ مَاسِوٰیھَا وَاِنْ رُدَّتْ رُدَّ مَاسِوٰاھَا ۔مراد یہ ہے کہ انسان کے تمام اعمال کی قبولیت نماز کے قبول ہونے سے مشروط ہے۔یعنی اگر انسان کوئی نیک عمل انجام دے لیکن نماز نہ پڑھے، یا نماز پڑھے تو سہی لیکن درست نہ پڑھے، ایسی نماز پڑھے جو بارگاہِ الٰہی میں قبول نہ کی جائے، مسترد کر دی جائے ۔تو ایسی صورت میں اسکے دوسرے تمام نیک اعمال بھی مسترد کر دیئے جائیں گے۔انسان کے تمام نیک اعمال کی قبولیت اسکی نماز کی قبولیت سے وابستہ ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے: اَلصَّلٰوۃُ قُرْبَانُ کُلِّ تَقِیٍّ (نماز ہر متقی کے لئے وسیلۂ تقرب ہے۔ نہج البلاغہ۔کلمات قصار ۱۳۶) ۔اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ شیطان اس وقت تک مومن سے دور اور اس سے ناراض رہتا ہے جب تک وہ اپنی نماز کی حفاظت اور پابندی کرتا ہے۔

احادیث و روایات میں کثرت کے ساتھ اس طرح کی باتیں ملتی ہیں، حتیٰ خود آیاتِ قرآنی سے اس مفہوم یعنی نماز کی غیر معمولی اہمیت کو اخذ کیا جا سکتا ہے۔

اس بارے میں اٹھنے والا ایک سوال جو گاہ بگاہ کچھ لوگوں کی زبان پر آتا ہے، وہ یہ ہے کہ نماز کی اہمیت کے بارے میں اس قدر زیادہ احادیث میں سے کچھ احادیث تو ضرور جعلی ہوں گی، درست نہ ہوں گی، صحیح اور معتبر نہ ہوں گی، پیغمبرؐ یا ائمۂ اطہارؑ کا کلام نہ ہوں گی؟ ان احادیث کو شاید اس دور میں وضع کیا گیا ہو گا جس میں عالم اسلام میں زاہد اور عبادت گزار افراد کی کثرت ہو گئی تھی، یہ اس دور کی ساختہ ہوں گی جب (اسلامی دنیا) میں زہد و عبادت کا بازار گرم تھا، بالخصوص دوسری اور تیسری صدی ہجری میں جبکہ زاہد مسلک اور عبادت میں حد سے گزر جانے والے افراد ظاہر ہوئے تھے، جو کم و بیش رہبانیت اختیار کر

چکے تھے۔

زاہد اور صوفی نما لوگ

ہم دیکھتے ہیں کہ جس وقت سے دنیائے اسلام میں تصوف نے جنم لیا' اسی دور سے ایسے افراد پیدا ہو گئے تھے جو دیگر اسلامی فرائض و واجبات کو بھلا کر اپنی ساری طاقتیں صرف عبادت اور نماز میں صرف کرتے تھے۔

مثلاً ہم حضرت علیؑ کے اصحاب میں ربیع بن خثیم نامی ایک شخص کو پاتے ہیں' یہ وہی معروف خواجہ ربیع ہیں جن سے منسوب ایک قبر مشہد مقدس میں ہے۔ اب میں یہ بات یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ یہ قبر انہی کی ہے یا نہیں' مجھے اس بارے میں خاطر خواہ معلومات نہیں۔ البتہ اس بارے میں شک نہیں کہ یہ ''زھادِ ثمانیہ ''یعنی دنیائے اسلام کے آٹھ معروف زاہدوں میں سے ایک شمار کئے جاتے ہیں۔

ربیع بن خثیم کے زہد و عبادت کا یہ عالم تھا کہ اپنی عمر کے آخری دور میں (۱) انہوں نے اپنی قبر کھودی اور وقتاً فوقتاً جا کے اس قبر میں لیٹ جایا کرتے اور اپنے آپ کو وعظ و نصیحت کرتے۔ قبر میں لیٹ کر اپنے آپ سے کہتے کہ: یہ نہ بھلا بیٹھنا کہ آخر کار تمہیں یہیں آنا ہے۔

جب انہیں اطلاع ملی کہ لوگوں نے فرزند رسول حسین ابن علیؑ کو شہید کر دیا ہے تو انہوں نے اس اندوہناک واقعے پر اظہار افسوس کے طور پر صرف اتنا کہا کہ: ''وائے ہو

۱۔ ربیع' حضرت علیؑ کے بعد امام حسینؑ کی شہادت کے زمانے تک حیات رہے' یہ تقریباً ۲۰ سال پر محیط عرصہ ہے۔ یعنی جس زمانے میں امام حسینؑ کو شہید کیا گیا' یہ زندہ تھے۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ پورے ۲۰ سال ان کا کام فقط اور فقط عبادت تھا اور اس عرصے میں انہوں نے کوئی دنیاوی بات زبان سے ادا نہ کی۔

اس امت پر جس نے اپنے پیغمبر کے فرزند کو شہید کیا۔'' اور یہ (اس بیس سال کے عرصے میں) ذکر الٰہی اور دعا و مناجات کے سوا ان کی زبان سے ادا ہونے والا واحد جملہ تھا۔ کہتے ہیں کہ بعد میں انہوں نے استغفار کیا اور پشیمان ہوئے کہ آخر کیوں میں یہ چند کلمات زبان پر لایا جو ذکرِ خدا نہ تھے۔

یہی ربیع بن خثیم' امیر المومنین حضرت علیؑ کے دورِ خلافت میں' حضرتؑ کی سپاہ میں شامل تھے۔ ایک روز امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یَا اَمِیرَ الْمُؤْمِنِینَ اَنَا شَکَکْنَا فِی هٰذَا الْقِتَالِ (۱)۔ اے امیر المومنین! ہمیں اس جنگ کے بارے میں شک ہے۔ ہمیں خدشہ ہے کہ کہیں یہ جنگ غیر شرعی نہ ہو۔ (کیوں؟ کس وجہ سے؟) اس لئے کہ ہم اہلِ قبلہ (مسلمانوں) کے خلاف برسرِ پیکار ہیں' ہم ایسے لوگوں کے خلاف تلواریں اٹھائے ہوئے ہیں جو ہماری ہی مانند شہادتین (کلمہ) پڑھتے ہیں' ہماری ہی طرح نماز ادا کرتے ہیں' ہماری ہی مثل رو بہ قبلہ کھڑے ہوتے ہیں۔

ربیع' امیر المومنین حضرت علیؑ کے شیعہ تھے اس لئے ان سے جدا بھی نہیں ہونا چاہتے تھے' لہٰذا کہتے ہیں: اے امیر المومنین! برائے کرم میرے سپرد کوئی ایسا کام کیجئے جو شک و شبہ سے پاک ہو۔ مجھے کسی ایسی جگہ' کسی ایسی ڈیوٹی پر بھیج دیجئے جس میں شک نہ ہو۔

امیر المومنینؑ نے جب ان کی یہ حالت دیکھی تو فرمایا: بہت اچھا' اگر تم شک میں مبتلا ہو تو میں تمہیں ایک دوسری جگہ بھیج دیتا ہوں۔

معلوم نہیں خود انہوں نے اس جگہ جانے کی درخواست کی یا خود امیر المومنینؑ ہی نے فیصلہ کر کے انہیں مملکتِ اسلامی کی سرحدوں میں سے ایک سرحد پر بھیج دیا' وہاں بھی وہ

۱۔ ان کے ''انا'' کہنے سے پتا چلتا ہے کہ وہ کئی لوگوں کے نمائندے کی حیثیت سے آئے تھے۔

سپاہی کی حیثیت سے تعینات تھے' لیکن یہ ایک ایسی سرحد تھی کہ اگر اتفاق سے وہاں جنگ اور خونریزی کی نوبت آتی بھی تو دوسری طرف کفار یا بت پرست ہوتے' غیر مسلم ہوتے۔

جی ہاں' یہ تھا اس زمانے کے زہاد اور عبادت گزار افراد کا ایک نمونہ۔

ایسا زہد و عبادت کس کام کا؟

کسی کام کا نہیں۔

ایک ایسا شخص جو حضرت علیؑ جیسی شخصیت کے لشکر میں شامل ہو۔ لیکن علیؑ کی دکھائی ہوئی راہ' اور علیؑ کے فرمان جہاد کے بارے میں شک وشبہے کا شکار ہو' یہ خیال اسکے ذہن میں آئے کہ آپؑ کا یہ فرمان' یہ حکم درست بھی ہے یا نہیں؟ اس موقع پر وہ احتیاط پر عمل کرے' احتیاط پر بنا رکھے۔ اسی طرح جیسے آج کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم کیوں مشکوک روزہ رکھیں؟

آپ دیکھتے ہیں کہ لوگوں کے درمیان یہ بات بہت عام ہے' وہ کہتے ہیں کہ ہم کیوں ایسا روزہ رکھیں جس میں شک ہے' یہ بھی کوئی عمل ہوا؟ کیوں ایسی جگہ جنگ کریں جہاں شک ہو؟ ہمیں ایسی جگہ چلنا چاہئے جہاں رکھے جانے والے روزے میں شک نہ ہو

اس بات کی کیا اہمیت ہے؟

اسلام بصیرت کا تقاضا کرتا ہے۔ عمل بھی طلب کرتا ہے بصیرت بھی۔ یہ شخص (خواجہ ربیع) بصیرت کے حامل نہ تھے۔ انہوں نے معاویہ اور یزید جیسے ظالم کے دور میں زندگی بسر کی۔ دورِ معاویہ جس میں دین خدا میں تبدیلیاں کی گئیں' اس میں بدعتیں ایجاد کی گئیں۔ یزید جو تاریخ اسلام کے بھیانک ترین جرائم کا مرتکب ہوا' اور پیغمبر اسلامؐ کی تمام تر کوششوں اور محنتوں پر پانی پھیر دینے کے درپے ہوا۔ لیکن ایسے دور میں یہ صاحب (خواجہ ربیع) گوشہ نشینی اختیار کر کے شب و روز مسلسل نماز میں مشغول رہتے ہیں' ذکر الٰہی کے سوا کوئی کلمہ ان کی زبان سے ادا نہیں ہوتا اور اگر حسین ابن علیؑ کی شہادت پر اظہارِ تاسف کے لئے ایک جملہ ان کی زبان سے نکل بھی جاتا ہے تو بعد میں اپنے اس عمل پر پشیمان ہوتے

تین کہتے ہیں۔ سیدھی سادی بات تو یہ ہے کہ ان کی بجائے سبحان اللہ، الحمد للہ، کیوں نہ کہیں؟ یا حی یا قیوم کیوں نہ کہیں؟ اللہ اکبر اور لاحول ولا قوة الا باللہ کیوں نہ پڑھیں؟

یہ طرز عمل اسلامی تعلیمات سے مطابقت نہیں۔ لایُری الجاھلُ الاّمُفرطاً اوْ مُفرَّطاً (جاہل کو نہ پاؤ گے مگر یا حد سے بڑھا ہوا اور یا اس سے بہت پیچھے۔ نہج البلاغہ کلمات قصار ۲۶)۔ جاہل یا تو بہت آگے بڑھ جاتا ہے یا بہت پیچھے رہ جاتا ہے۔

دین کے بارے میں ایک غلط تصور

ایک گروہ کا کہنا ہے کہ الصلوٰۃُ عمودُ الدین (نماز دین کا ستون ہے) وہ بات کسی بھی طرح اسلامی تعلیمات سے موافق نہیں۔ کیونکہ دین اسلام تو سب چیزوں سے زیادہ اجتماعی مسائل کو اہمیت دیتا ہے۔ اسلام تو ان اللہ یامر بالعدل والاحسان (۱) کا دین ہے۔ اسلام تو لقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط (۲) کا دین ہے۔ اسلام تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دین ہے۔ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر (۳) اسلام جہد مسلسل، جدوجہد اور عمل کا دین ہے۔ اسلام ایک عظیم دین ہے۔

۱۔ بے شک اللہ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے۔ سورہ نحل ۱۶ آیت ۹۰

۲۔ بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو روشن دلیلوں کے ساتھ بھیجا ہے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی ہے تاکہ لوگ انصاف کے ساتھ قائم رہیں۔ سورہ حدید ۵۷ آیت ۲۵۔

۳۔ تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ تم لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو۔ سورہ آل عمران ۳ آیت ۱۱۰

کیا ایسا دین جو مذکورہ مسائل کو اتنی اہمیت دیتا ہے، کیسے ممکن ہے کہ وہ عبادت کے لئے اتنی زیادہ اہمیت کا قائل ہو؟ نہیں، دین اسلام میں عبادت کے مسئلے کو اتنی زیادہ اہمیت حاصل نہیں۔ ہمیں اسلام کی اخلاقی اور اجتماعی تعلیمات کے نفاذ کے لئے کوشش کرنی چاہئے۔ عبادت بے کار لوگوں کا مشغلہ ہے۔ جنہیں کوئی اہم ترین کام نہ ہو وہ نماز پڑھیں، وہ عبادت کریں۔ لیکن ایک ایسا شخص جس کے سامنے اہم ترین کام ہوں اس کے لئے لازم نہیں کہ وہ عبادت بجا لائے۔

یہ بھی ایک غلط فکر ہے اور انتہائی خطرناک۔ اسلام کو اس طرح سمجھنا چاہئے جیسا کہ وہ ہے۔

میرے ان عرائض کی وجہ یہ ہے کہ ان چیزوں کو میں اپنے معاشرے میں ایک بیماری کی صورت میں محسوس کر رہا ہوں۔ انتہائی افسوس کی بات ہے کہ اس وقت ہمارے معاشرے میں جو لوگ اسلام کا نعرہ بلند کر رہے ہیں ان میں سے اکثر (البتہ سب کو نہیں کہتا) دو گروہوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک گروہ ربیع بن خثیم جیسے طرز فکر کا حامل ہے خواجہ ربیع کی طرح سوچتا ہے۔ ایسے لوگوں کے نزدیک "اسلام" ذکر و دعا کرنے، نوافل پڑھ لینے، زیارات پر جانے اور زیارتِ عاشورہ کی قرآئت کا نام ہے۔ ایسے افراد کے نزدیک اسلام کے معنی مفاتیح اور زاد المعاد ہے (دعاؤں کی دو معروف کتابیں)۔ ان کا پورا کا پورا اسلام مفاتیح الجنان میں سمٹ آیا ہے۔ اس کے سوا ان کے نزدیک کسی اور چیز کا وجود ہی نہیں۔ یہ لوگ بالکل ربیع بن خثیم کی سی سوچ رکھتے ہیں۔ انہیں دنیا سے کوئی سروکار ہی نہیں، مسائل حیات سے کوئی غرض ہی نہیں، اسلام کی اجتماعی تعلیمات سے کوئی مطلب نہیں، اسلام کے اصول و ارکان سے کوئی لگاؤ نہیں، انسانی تربیت سے کوئی واسطہ نہیں۔ انہیں سرے سے کسی بھی چیز سے مطلب نہیں۔

ان لوگوں کی تفریط سے رد عمل میں ایک افراطی طبقہ پیدا ہوا ہے۔ یہ طبقہ اسلام کے

جتماعی مسائل کو اہمیت دیتا ہے، ان کے بارے میں حساسیت کا اظہار بھی کرتا ہے۔ اس پہلو سے یہ لوگ قابل قدر ہیں۔ لیکن انہی لوگوں میں سے کچھ کو بعض اوقات میں دیکھتا ہوں کہ مثلاً مستطیع ہونے کے باوجود حج کو نہیں جاتے۔ یہ شخص جو واقعی مسلمانوں سے حقیقتاً اسلام سے لگاؤ رکھتا ہے، اسکا دل اسلام کے لئے دھڑکتا ہے لیکن مستطیع ہوتے ہوئے بھی حج کو نہیں جاتا، اس کی نظر میں حج کی کوئی اہمیت ہی نہیں، تقلید ضروری ہے لیکن اسے اہمیت نہیں دیتا۔ حالانکہ تقلید ایک معقول بات ہے۔

تقلید کسے کہتے ہیں؟

کہا جاتا ہے کہ یا تو آپ نماز روزہ جیسی چیزوں کے مسائل کو (مصادر شرع سے) براہ راست خود اخذ کیجئے۔ یعنی اس میدان میں اس قدر ماہر ہو جائیے کہ اس مہارت کے بل بوتے پر خود استنباط کر سکیں۔ یا پھر یہ کہ احتیاط پر عمل کیجئے جو ایک خاصا دشوار کام ہے۔ یا پھر ایک ماہر جامع الشرائط عادل شخص کا انتخاب کیجئے اور جس طرح ایک ماہر طبیب سے رجوع کر کے اسکے بتائے ہوئے پر عمل کرتے ہیں اسی طرح اس کی رائے پر عمل کیجئے۔ انسان بغیر تقلید کے رہ ہی نہیں سکتا۔ یعنی اگر وہ تقلید نہ کرے تو اپنے آپ کو بہت زیادہ مشکل میں ڈال لیتا ہے۔

اسی طرح بعض لوگ روزے کو اہمیت نہیں دیتے۔ اگر کسی سفر کی وجہ سے ان کا روزہ قضا ہو جائے تو اس قضا کو ادا نہیں کرتے۔ یہ لوگ بھی اپنے آپ کو ایک کامل مسلمان سمجھتے ہیں۔ وہ دل اندر سے وہ بھی خود کو کامل مسلمان سمجھتا ہے جبکہ یہ کامل مسلمان نہیں ہے۔

دین سے نومن ببعض و نکفر ببعض (۱) سے اتفاق نہیں کرتا۔ یہ نہیں معلوم کہ انسان اسلامی عبادات کو تو چاہے لیکن اسکے معاشرتی اور اخلاقی قوانین کو ٹھکرائے

۱۔ ہم بعض چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں اور بعض چیزوں کا انکار کرتے ہیں گے۔ سورۂ نساء ۴۔ آیت ۱۵۰۔

سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ختم کر دے اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ انسان امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو لے لے اور معنوی عبادات کو چھوڑ دے۔

قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی اقیموا الصلاۃ آتا ہے اس کے فوراً بعد آتوا الزکاۃ آتا ہے۔ اگر اقام الصلاۃ آتا ہے تو اس کے بعد آتی الزکاۃ آتا ہے۔ جب یقیمون الصلاۃ آتا ہے تو اس کے بعد یوتون الزکاۃ آتا ہے۔ یقیمون الصلاۃ کا تعلق بندے اور خدا کے درمیان رشتے سے اور یوتون الزکاۃ کا رابطہ بندگان خدا کے آپس کے تعلقات سے ہے۔

جس طرح ایک مرد مسلمان کو اپنے اور اپنے رب کے درمیان ایک مستقل اور مسلسل رابطے کی ضرورت ہے اسی طرح اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنے اور اپنے معاشرے کے درمیان بھی ایک مستقل اور مسلسل رابطہ قائم رکھے۔

بغیر عبادت کے، بغیر ذکر الٰہی کے، بغیر یاد خدا کے، بغیر مناجات کے، بغیر حضور قلب کے، بغیر نماز کے، بغیر روزے کے ایک عادل معاشرہ تشکیل نہیں پا سکتا حتیٰ خود انسان بھی سالم نہیں رہ سکتا۔

اسی طرح بغیر ایک سالم معاشرے کے، بغیر ایک سالم ماحول کے، بغیر امر بالمعروف کے، بغیر نہی عن المنکر کے، بغیر مسلمانوں سے پیار و محبت کے اور بغیر دوسروں کی مدد اور ان کے ساتھ تعاون کے انسان ایک اچھا عبادت گزار بندہ نہیں بن سکتا۔

علیؑ ایک جامع الصفات ہستی

آپ اگر حضرت علی بن ابی طالب کی شخصیت پر ایک سرسری نگاہ بھی ڈالیں تو پتہ چل جاتا ہے کہ آپ ایک عابد و زاہد [illegible]

[illegible] عبادت تو مسلمہ طور پر ضرب المثل بن چکی ہے۔ عبادت بھی [illegible]

تھیں (سب روشن روشن و واضح نہیں) بلکہ یہی عبادت جو دل سے آخرت کے جذبات کے ساتھ عشق کے ساتھ گریہ وزاری سے لبریز ہے۔

حضرت علی کی شہادت کے بعد ضرار نامی ایک شخص کی معاویہ سے ملاقات ہوتی ہے۔ معاویہ کو معلوم تھا کہ ضرار حضرت علی کے اصحاب میں سے ہیں۔ چنانچہ فرمائش کی کہ تم علی کے ساتھ ہوا کرتے تھے میرے سامنے ان کے فضائل بیان کرو۔ خود معاویہ اچھی طرح حضرت علی سے واقف تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ دوسروں سے ان کے بارے میں سننا پسند کرتے تھے کیونکہ وہ ان کی برائیوں سے حضرت علی کی عظمت کے قائل تھے حالانکہ یہی تھے جنہوں نے حضرت علی کے خلاف تلوار تک اٹھائی تھی۔

انسان کیسا عجیب ہوتا ہے۔ معاویہ علی سے عقیدت مند بھی تھے لیکن اس کے باوجود انہوں نے حضرت علی کے خلاف ناپسندیدہ اقدامات میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

ضرار نے معاویہ کے سامنے ایک مشاہدہ بیان کیا۔ کہا میں نے ایک رات علی کو محراب عبادت میں دیکھا یتململ تململ السلیم ویبکی بکاء الحزین۔ یعنی آپ محراب عبادت میں خوف خدا سے ایک ایسے شخص کی مانند تڑپ رہے تھے جسے سانپ نے کاٹ لیا ہو۔ غم و اندوہ میں ڈوبے ہوئے ایک انسان کی مانند گریہ وزاری میں مشغول تھے۔ سرد آہیں بھرتے تھے۔ آتش جہنم سے لرزاں آہ و بکا کرتے تھے۔ مولائے کائنات کی یہ کیفیت سن کر معاویہ کی آنکھوں سے بھی آنسو رواں ہو گئے۔

اسی طرح جب حضرت علی کی شہادت کے بعد ایک موقع پر معاویہ اور عدی بن حاتم کی ملاقات ہوئی تو معاویہ نے عدی بن حاتم کو حضرت علی کے خلاف بھڑکانا چاہا۔ عدی سے کہا۔ این الطوفات؟ طریف[۱]، طرفہ اور طارف کیا ہوئے؟

۱۔ حضرت عدی بن حاتم کے تین فرزند تھے جن کے نام طریف، طرفہ اور طارف (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

حضرت عدی بن حاتم نے جواب دیا وہ سب صفین میں علیؑ کی رکاب میں شہید ہو گئے۔

معاویہ نے کہا علیؑ نے تیرے ساتھ ناانصافی کی اپنے بچوں حسنؑ حسینؑ کو تو پیچھے رکھا اور تیرے بچوں کو آگے کر کے موت کے منہ میں دھکیل دیا۔

حضرت عدی بن حاتم نے جواب دیا حقیقت تو یہ ہے کہ میں نے علیؑ کے ساتھ ناانصافی کی۔ اگر میں انصاف کرتا تو آج میں زندہ اور علیؑ زیر خاک نہ ہوتے۔

معاویہ نے جب اپنا تشنہ جواب دیکھا تو عدی سے کہا اے عدی میرا دل چاہتا ہے کہ تم مجھے علیؑ کے بارے میں بتاؤ۔ عدی بن حاتم نے تفصیل کے ساتھ حضرت علیؑ کے اوصاف بیان کیے۔ وہ کہتے ہیں کہ آخر میں میں نے دیکھا کہ معاویہ زار و قطار رو رہے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے آستین سے اپنے آنسو صاف کیے اور کہا افسوس کہ زمانہ علیؑ کی مانند انسان جننے سے بانجھ ہے۔

دیکھئے حقیقت کیسے جلوہ گر ہوتی ہے؟

یہ تو تھی حضرت علیؑ کی [illegible] لیکن یہ علیؑ کے صف اول کے اصحاب تھے [illegible] تھیں اور [illegible] نظر [illegible] تے تھے؟

ہم حضرت علیؑ کی زندگی کے [illegible] کا جائزہ لیتے ہیں ([illegible] وہ آپ کی حیات اجتماعی سے تعلق رکھتا ہے) آپ [illegible] سب سے [illegible] اجتماعی ترین فرد تھے۔ [illegible] سب [illegible] تنہا [illegible] ترین فرد تھے۔ خلیفہ [illegible]

(بقیہ حاشیہ صفحہ [illegible]) [illegible] حضرت علیؑ کی رکاب میں [illegible] معاویہ [illegible] حضرت علیؑ [illegible]

باوجود آپ دن کے وقت اپنا درہ یعنی کوڑا کاندھے پر لٹکائے بنفس نفیس لوگوں کے درمیان گشت فرماتے تھے۔ ان کے معاملات کا جائزہ لیتے تھے۔ جب تاجروں کے پاس پہنچتے تو فرماتے الفقه ثم المتجر (۱)۔ جو پہلے تجارت کے مسائل سیکھو اسکے شرعی احکام کی تعلیم حاصل کرو اسکے بعد آکے تجارت کرنا۔ حرام خرید و فروخت نہ کرو' سودی معاملہ نہ کرو۔

اگر کسی کو تاخیر سے اپنے کام پر جاتے دیکھتے تو فرماتے۔ اُغدوا الی عزّکم۔

ایک ربانی عبادت گزار فرد ہونے کے ساتھ ساتھ آپ میں یہ خصوصیت بھی تھی۔

پہلی مرتبہ میں نے مذکورہ حدیث مرحوم آیت اللہ العظمی بروجردی کی زبانی سنی تھی۔ ایک مرتبہ ایک گداگر' آقائے بروجردی کے یہاں آکے ان کے سر ہو گیا' اور کچھ طلب کرنے لگا۔ انہوں نے اس پر نگاہ ڈالی' دیکھ تو محسوس کیا کہ یہ شخص محنت مزدوری کر سکتا ہے لیکن گداگری کو اس نے اپنا پیشہ بنا لیا ہے۔ لہذا انہوں نے اسے نصیحت کی اور بہت سی دوسری باتوں کے ساتھ ساتھ حضرت علیؑ کا یہ جملہ بھی فرمایا' کہا کہ امیر المومنینؑ لوگوں سے فرماتے تھے اُغدوا الی عزّکم (۲) علی الصبح اپنی عزت و شرف کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ یعنی اپنے کام' محنت مزدوری اور حصول روزگار کی طرف جایا کرو۔ انسان اس وقت عزیز و سربلند ہے جب وہ خود کماتا ہو' اپنی معاش کا بندوبست خود کرتا ہو۔ محنت مزدوری عزت و شرافت ہے۔

اسے کہتے ہیں حقیقی مثالی مسلمان۔

آپ عبادت کے میدان میں سرفہرست عبادت گزار ہیں۔ جب قضاوت کی مسند پر جلوہ فرما ہوتے ہیں تو ایک عادل قاضی ہیں' ذرہ برابر بے انصافی نہیں کرتے۔ جب

۱- وسائل شیعہ ج ۱۲ ص ۲۸۲ ح ۱۔
۲- وسائل الشیعہ۔ ج ۱۲۔ ص ۴۔ ح ۱۰۔

میدانِ جنگ کا رخ کرتے ہیں تو ایک بہادر سپاہی اور شجاع سپہ سالار ہیں۔ ایک اول درجے کے کمانڈر ہیں، خود فرماتے ہیں: میں نے ابتدائے شباب ہی سے جنگ کی ہے، جنگ کا تجربہ رکھتا ہوں۔ اور جب آپؑ خطابت کی کرسی پر تشریف فرما ہوتے ہیں تو اول درجے کے خطیب ہیں۔ جب تدریس کی ذمے داری سنبھالتے ہیں تو اول درجے کے معلم ومدرس ہیں۔

ہر ایک فضیلت میں آپؑ کا یہی حال ہے۔ یہ ہیں اسلام کا نمونۂ کامل۔

اسلام کسی صورت نؤمن ببعض و نکفر ببعض کو قبول نہیں کرتا۔ لہٰذا ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم اسلام کے اس ایک پہلو کو تو مانتے ہیں لیکن اس کے دوسرے پہلو کا انکار کریں گے۔ دنیائے اسلام میں پیدا ہونے والے انحراف کا نقطۂ آغاز یہی ہے۔ اگر ہم اسلام کے کسی ایک پہلو کو لے لیں لیکن اس کے دوسرے پہلوؤں کو چھوڑ دیں تو اس طرح ہر چیز میں خرابی اور بگاڑ پیدا کر بیٹھیں گے۔

جس طرح گزشتہ ادوار میں ہمارے بہت سے زاہد پیشہ افراد کی روش غلط تھی، ایسے لوگوں کی روش غلط تھی جو پورے اسلام کو مثلاً مفاتیح الجنان میں منحصر سمجھتے ہیں (دعاؤں کی ایک کتاب) یا بیاض میں محدود کر دیتے ہیں، اسی طرح ایسے لوگوں کی روش بھی غلط ہے جو دعا، عبادت، نوافل اور فرائض کو یکسر چھوڑ بیٹھتے ہیں اور اسلام کے صرف اجتماعی مسائل کے بارے میں توجہ چاہتے ہیں۔

مردِ مسلمان کی بعض نمایاں صفات

سورۂ مبارکہ ''انا فتحنا'' میں ارشادِ الٰہی ہے: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار کے لیے سخت ترین اور آپس میں انتہائی مہربان ہیں۔ سورہ فتح ۴۸ ـ

آیت ۲۹)

اس آیت میں ایک اسلامی معاشرے کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ سب سے پہلے اس مسئلے کا ذکر کیا گیا ہے وہ پیغمبر کی معیت اور ان پر ایمان لانے کے بعد اشداء علی الکفار یعنی بیگانوں کے مقابلے میں سخت ترین قوی اور طاقتور ہونے کا ذکر ہے۔

پس وہ خشک مقدس نما لوگ جو مسجد میں ڈیرہ جمائے رہتے ہیں، ہزاروں کی تعداد میں ہونے کے باوجود صرف ایک سپاہی کی للکار پر دم سادھ لیتے ہیں اور چوں بھی نہیں کرتے، وہ مسلمان نہیں۔

قرآن کریم نے مسلمان کی ایک خصوصیت بلند اور متین خصوصیت یہ بیان کی ہے کہ وہ دشمن کے بالمقابل سخت، پائیدار اور ثابت قدم ہوتا ہے۔ اسلام سست اور کمزور مسلمان کو پسند نہیں کرتا۔ ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین (خبردار سستی نہ کرنا مصائب پر محزون نہ ہونا، اگر تم صاحب ایمان ہو تو سربلندی تمہارے ہی لئے ہے۔ سورۂ آل عمران ۳ - آیت ۱۳۹)۔

اسلام میں سستی اور کمزوری کی کوئی گنجائش نہیں۔ ویل ڈیورنٹ کتاب "تاریخ تمدن" میں کہتا ہے: اسلام کی مانند کسی دوسرے دین نے اپنے ماننے والوں کو قوت و طاقت کے حصول کی دعوت نہیں دی۔

گردن ڈالے رکھنا، گوشۂ لب سے رال ٹپکانا، گریبان (collar) کا ایک طرف ڈھلکا ہونا، اسکا گندہ ہونا، خود کو غریب و لاچار ظاہر کرنا، زمین پر پیر گھسیٹ کر چلنا، جب کہ پیر کو [illegible] یہ سب چیزیں اسلامی تعلیمات کے برعکس ہیں۔ یہ [illegible] کی باتیں ہیں جو اسلام کے خلاف ہے۔

واما بنعمۃ ربک فحدث (اور اپنے پروردگار کی نعمتوں کا ذکر بیان کرتے رہنا۔ سورۂ ضحیٰ ۹۳ - آیت ۱)

خدا نے آپ کو صحت دی ہے، جسمانی طاقت دی ہے، قوت عطا کی ہے، طاقت و توانائی سے نوازا ہے۔ آپ اپنی کمر سیدھی رکھ سکتے ہیں تو کیوں بلا وجہ اسے جھکاتے ہیں؟ آپ اپنی گردن سیدھی رکھ سکتے ہیں، کیوں بغیر کسی وجہ کے اسے ایک جانب جھکائے رکھتے ہیں؟ کیوں بے وجہ آنکھوں کو بند کرتے ہیں؟ آنکھوں کو تو انسان تکلیف کی حالت میں بند کرتا ہے۔ خدا نے آپ کو کسی درد اور تکلیف میں مبتلا نہیں کیا ہے تو پھر کیوں آپ آہیں بھرتے ہیں؟ یہ تو نعمت الٰہی کا کفران ہے۔ کیا علیؑ بھی اسی طرح راستہ چلتے تھے جیسے کہ آپ چلتے ہیں؟ کیا علیؑ اسی طرح عبا سر پر ڈالتے تھے اور اسی طرح ٹیڑھے ٹیڑھے چلتے ہوئے راستہ طے کرتے تھے؟(۱)۔ ان چیزوں کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

اشداء علی الکفار یعنی سب کافروں کے مقابل سخت ترین ہے اور مضبوط جیسے سد سکندری۔

(ایک مسلمان) حقیقی یا اس میں مسلمانوں کے ساتھ کس طرح ہونا چاہئے؟ رحماء بینھم یعنی آپس میں مہربان گہرے دوست (ایک دوسرے کے ساتھ ریشم کی طرح نرم ہونا چاہئے)۔

(اس کے برخلاف) جب ہم اپنے بعض مقدس نما لوگوں سے ملتے ہیں ان سے یہاں جاتے ہیں تو جو چیز ہمیں ان میں نظر نہیں آتی وہ یہی اخلاص اور مہربانی ہے۔ ہمیشہ ان کی تیوریوں پر بل پڑے رہتے ہیں، بد اخلاق اور ترش رو ہیں۔ کسی کے ساتھ گرمجوشی سے پیش نہیں آتے، کسی سے ہنس کے نہیں ملتے، گویا کہ سب انسان پر احسان رکھتے ہیں۔ ایسے لوگ مسلمان نہیں، یہ لوگ خود کو اسلام سے وابستہ ظاہر کرتے ہیں۔

یہ تھی (ایک مسلمان میں پائی جانے والی) دوسری خصوصیت۔

۱۔ [illegible] (مترجم)

یہی کافی ہے؟

کیا مسلمان ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ انسان نماز کے ساتھ خلق سے پیش آئے اور اہل اسلام سے مہربانی اور پیار و محبت کا برتاؤ کرے؟ ۔۔۔ جی نہیں تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا (تم انہیں دیکھو گے کہ بارگاہ احدیت میں سر جھکائے ہوئے سجدہ ریز ہیں اور اپنے پروردگار کے فضل و کرم اور اس کی خوشنودی کے طلبگار ہیں۔ سورۂ فتح ۴۸ - آیت ۲۹)

وہ شخص جو ہے گا تو کیسے سخت دل کافروں سے ۔۔۔ مشفق مہربان ہے اس فرد کو جب محراب عبادت میں دیکھو گے تو رکوع و سجود اور عبادت اور مناجات میں مشغول ہوگا۔ رکعا و سجدا اس کی عبادت ہے۔ یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا اس کی دعا ہے۔

البتہ دعا اور عبادت کے درمیان حد بندی کے قائل نہیں ہیں۔ دعا عبادت ہے اور عبادت بھی دعا ہے لیکن کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک عمل فقط اور فقط خالص دعا ہوتا ہے یعنی ایک ایسی عبادت ہوتی ہے جو صرف دعا پر مشتمل ہے لیکن کچھ عبادات ایسی ہیں جن میں دعا اور دعا کے علاوہ دوسری چیزیں بھی پائی جاتی ہیں جیسے نماز۔ اسی طرح اور عبادات ہیں جو بنیادی طور پر دعا نہیں جیسے روزہ۔

سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود (سجدوں کی کثرت کی وجہ سے ان کے چہروں پر نشان پڑ جاتے ہیں)۔ یہ لوگ اتنے زیادہ عبادت گزار ہیں کہ عبادت کے آثار تقویٰ کے آثار خدا پرستی کے آثار ان کے چہروں سے عیاں ہیں۔ ان کو دیکھنے والا شخص ان کے وجود میں خدا کی معرفت اور خدا کی یاد محسوس کرتا ہے اور شخص دیکھ کر یاد خدا میں ڈوب جاتا ہے۔

شاید آپ نے رسول اکرمؐ سے منقول ایک حدیث سنی ہو کہ حضرت عیسیٰ سے حواریوں

نے ان سے سوال کیا یا روح اللہ من نجالس؟ (اے روح اللہ ہم کن قسم کے لوگوں کے ساتھ میل جول رکھیں؟)۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا من یذکرکم اللہ رویتہ ویزید فی علمکم منطقہ ویرغبکم فی الخیر عملہ (۱) (ایسے شخص کے ساتھ میل جول رکھو جسے دیکھ کر خدا کی یاد میں ڈوب جاؤ) اس شخص کی صورت پر سجے چہرے مہرے پر خدا ترسی کو دیکھو۔ علاوہ ازیں یزید فی علمکم منطقہ (جب وہ بات کرے تو اسکی باتوں سے استفادہ کرو، اسکی گفتگو تمہارے علم میں اضافہ کرے) یرغبکم فی الخیر عملہ (اسکا کردار دیکھ کر تمہارے اندر بھی نیک کاموں کا شوق پیدا ہو)۔

آگے چل کر آیت کہتی ہے ذلک مثلهم فی التورٰۃ ومثلهم فی الانجیل کزرع اخرج شطاہ فآزرہ فاستغلظ فاستوی علی سوقہ یعجب الزراع لیغیظ بہم الکفار (یہ ہے ان کی مثال توریت میں اور یہ ہے ان کی صفت انجیل میں ہے۔ جیسے کوئی کھیتی ہو جو پہلے کونپل نکالے پھر اسے مضبوط کرے پھر وہ موٹی ہو جائے اور پھر اپنے تنے پر کھڑی ہو جائے۔ کاشتکاروں کو خوش کرتی ہے تاکہ ان کے ذریعے کافروں کو جلایا جائے۔ سورۃ فتح ۴۸ - آیت ۲۹)

توریت و انجیل میں ان کی یہی صفت بیان کی گئی ہے۔ ایک ہی طرح کے وجود میں آنے کی بات کی گئی ہے۔ ان کی ایسی تصویر کشی کی گئی ہے جس انداز میں توصیف کی گئی ہے۔ ان کی مثال ایک زراعت کی مثال ہے، گندم کے ایک دانے کی مانند جسے زمین میں بویا جاتا ہے اور کیونکہ یہ زندہ ہوتا ہے اس سے ایک باریک پتی کی صورت میں پودا زمین سے باہر نکلتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ وہ بہت سخت پتے کی صورت اختیار کر لیتا

۱۔ [illegible]

سے اس میں مضبوطی اور استحکام آجاتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ ایک موٹی ڈالی بن جاتا ہے۔ جس کے بعد خود اپنے قدموں پر کھڑا ہو جاتا ہے۔ حالانکہ ابتدا میں وہ زمین پر پڑا ہوا ایک معمولی سا بیج تھا جسے کوئی اہمیت حاصل نہ تھی۔ بعد میں یہ ایک چھتنار ہو جاتا ہے کہ نباتات شناسی کے تمام ماہرین کو حیرت زدہ کر دیتا ہے اور وہ فکر میں ڈوب جاتے ہیں کہ یہ کیسی پختہ اور شاندار قوم وجود میں آئی ہے۔ یہ حیرت و تعجب کا باعث ایسی ہی قوم ہو سکتی ہے جو اشداء علی الکفار بھی ہو، رحماء بینھم بھی ہو اور رکعا سجدا اور یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا بھی ہو۔ اس میں یہ تمام صفات پائی جاتی ہوں۔

اب بتائیے ہم مسلمان اس قدر زوال و انحطاط کا شکار کیوں ہیں؟ اس قدر بدبخت اور ذلیل و خوار کیوں ہیں؟ بتائیے ان مذکورہ خصوصیات میں سے کوئی خصوصیت ہمارے اندر موجود ہے؟ اور ہم کیا توقعات وابستہ کئے ہوئے ہیں؟

معنویات کو خفیف نہ سمجھئے

ہمیں صد در صد اعتراف ہے کہ اسلام ایک اجتماعی دین ہے اس کے احکام و فرامین اس کے اجتماعی ہونے کے عکاس ہیں۔ لیکن یہ حقیقت اس بات کا سبب نہیں ہو سکتی کہ ہم عبادت، دعا اور خدا سے ارتباط کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنے لگیں، انہیں معمولی سمجھنے لگیں، نماز کو بے اہمیت سمجھیں۔

نماز کو خفیف و معمولی سمجھنا بھی ایک گناہ ہے۔ نماز نہ پڑھنا ایک بڑا گناہ ہے لیکن نماز پڑھنا مگر اسے خفیف سمجھنا اسے بے اہمیت قرار دینا بھی ایک گناہ ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی وفات کے بعد (آپ کے ایک صحابی) ابو بصیر تعزیت کی غرض سے ام حمیدہ کے یہاں حاضر ہوئے۔ ام حمیدہ رونے لگیں۔ ابو بصیر جو نابینا تھے وہ بھی رونے لگے۔ اس کے بعد ام حمیدہ نے ابو بصیر سے کہا: اے ابو بصیر! اگر تم

نے اپنے امامؑ کے آخری لمحات کو نہ دیکھا۔ اس وقت ایک عجیب قصہ ہوا۔ امامؑ قریب قریب عالم غشی میں تھے، اسی اثنا میں آپؑ نے اپنی آنکھوں کو کھولا اور فرمایا میرے تمام نزدیکی رشتے داروں کو بلاؤ، سب کو میرے سرہانے جمع کرو۔ ہم نے امامؑ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے سب لوگوں کو اکٹھا کیا۔ جب سب لوگ جمع ہوئے تو امامؑ نے اسی عالم غشی میں، جبکہ آپؑ اپنی حیاتِ مبارک کے آخری لمحات طے کر رہے تھے، اپنی آنکھوں کو کھولا، گرد جمع ہونے والوں کی طرف رخ کیا اور صرف ایک جملہ ارشاد فرمایا: ان شفاعتنا لا تنال مستخفًا بالصلوٰۃ (ہماری شفاعت کسی بھی صورت میں ان لوگوں کو نہ ملے گی جو نماز کو معمولی سمجھتے ہیں۔ وسائل الشیعہ ج ۳ ص ۱۷ ح ۱)۔ امامؑ نے صرف اتنا کہا اور جان جان آفرین کے سپرد کردی۔

امامؑ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہماری شفاعت ان لوگوں کو نہ ملے گی جو نماز نہیں پڑھتے۔ ان لوگوں کا معاملہ تو بالکل واضح (clear) ہے۔ بلکہ فرمایا کہ ایسے لوگ جو نماز کو سبک اور معمولی سمجھتے ہیں، وہ ہماری شفاعت نہ پائیں گے۔

کون لوگ ہیں جو نماز کو سبک اور معمولی سمجھتے ہیں؟

نماز کو معمولی چیز اور بے اہمیت سمجھنے والے لوگ وہ ہیں جنہیں وقت اور فرصت میسر ہوتی ہے، وہ اطمینان کے ساتھ ایک اچھے طریقے سے نماز پڑھ سکتے ہیں لیکن ایسا نہیں کرتے۔ ظہر عصر کی نماز اس وقت پڑھتے ہیں جب سورج غروب ہونے کو ہوتا ہے۔ جب دیکھتے ہیں کہ سورج ڈوبنے والا ہے تو جلدی جلدی وضو کرتے ہیں، جلدی جلدی نماز پڑھتے ہیں اور تیزی کے ساتھ [illegible] کر رہے ہوتے ہیں۔ ایسی نماز پڑھتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نماز میں اطمینان ہوتا ہے نہ خضوعِ قلب۔ یہ طرح نماز کو اہمیت نہیں دیتے ہیں جیسے نماز بھی روزمرہ کے معمولی کاموں میں سے ایک کام ہے۔

[illegible] کی نماز اس نماز سے بہت زیادہ مختلف ہے جس کی

طرف انسان ذوق و شوق کے ساتھ جاتا ہے۔ جوں ہی ظہر کا اول وقت آتا ہے وہ مکمل اطمینان کے ساتھ جا کر وضو کرتا ہے، ایسا وضو جس میں تمام آداب کو ملحوظ رکھا گیا ہوتا ہے۔ اس کے بعد جا نماز پر جا کر اذان و اقامت کہتا ہے اور سکون اور دل جمعی کے ساتھ نماز پڑھتا ہے۔ سلام کہہ کر فوراً ہی کھڑا نہیں ہو جاتا ہے بلکہ اطمینان قلب کے ساتھ کچھ دیر تعقیبات نماز پڑھتا ہے، ذکر خدا کرتا ہے۔۔۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ (اس گھر میں) اس کی نظر میں نماز کو احترام حاصل ہے۔

ایسے نمازی جو نماز کو خفیف قرار دیتے ہیں، یعنی حقیر اور معمولی سمجھتے ہیں، وہ فجر کی نماز عین طلوع آفتاب کے وقت پڑھتے ہیں اور ظہر و عصر کی نماز غروب آفتاب کے وقت ادا کرتے ہیں، مغرب اور عشاء کی نماز انہیں رات کے چار گھنٹے گزر جانے کے بعد یاد آتی ہے۔ یہ لوگ برق رفتاری اور تیزی کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ تجربہ بتاتا ہے کہ ایسے لوگوں کے بچے سرے سے نماز پڑھتے ہی نہیں۔

آپ اگر حقیقی نماز گزار بننا چاہتے ہیں، اور یہ چاہتے ہیں کہ آپ کے بچے بھی نماز کے پابند بنیں تو آپ کو نماز کا احترام کرنا چاہیے۔ ہم آپ سے صرف یہ تقاضا نہیں کر رہے کہ نماز پڑھئے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ چاہتے ہیں کہ نماز کا احترام کیجئے۔ اس مقصد کے لیے پہلے تو خود اپنے گھر میں نماز پڑھنے کی ایک مخصوص جگہ بنائیے (یہ مستحب بھی ہے)۔ یعنی گھر میں ایک ایسی جگہ کا انتخاب کیجئے جو آپ کی عبادت گاہ ہو، مصلا ایک جگہ اپنے لئے بنائیے۔

جیسے پیغمبرؐ نے نماز کے لئے ایک جگہ معین کی ہوئی تھی، اگر ممکن ہو تو آپ بھی ایک کمرے کو نماز پڑھنے کی جگہ کے طور پر مقرر کر لیجئے۔ اگر گھر میں کمرے زیادہ نہیں تو خود اپنے کمرے میں نماز کے لئے ایک خاص جگہ معین کر لیجئے۔ ایک پاک صاف جا نماز [illegible]

ہو نماز پڑھنے کے لیے تیار بھی ہو۔

جب وضو کر رہے ہوں تو اسے بھی جلدی جلدی اور عجلت میں نہ کیجئے۔ ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم علیؑ کے شیعہ ہیں۔ برادر عزیز! نام رکھ لینے سے علیؑ کا شیعہ نہیں ہوا جا سکتا۔ جس شخص نے حضرت علیؑ کے وضو کو بیان کیا ہے وہ کہتا ہے کہ علی ابن ابی طالبؑ جب وضو کے لیے تشریف لاتے اور ہاتھوں کو پانی میں ڈالتے (وضو کا پہلا مستحب عمل یہ ہے کہ انسان اپنے دونوں ہاتھوں کو دھوئے) تو فرماتے: بِسْمِ اللهِ وَ بِاللهِ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِی مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِی مِنَ الْمُتَطَهِّرِیْنَ (اللہ کے نام اور اللہ ہی کے سہارے سے۔ خدایا! مجھے توبہ کرنے والوں میں قرار دے، مجھے پاکیزہ رہنے والوں میں قرار دے)

دو دن پہلے ہم نے توبہ کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے عرض کیا تھا کہ توبہ کے معنی خود کو پاکیزہ کرنا ہیں۔ پانی رمزِ طہارت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب علیؑ پانی کا رخ کرتے ہیں تو توبہ کو یاد کرتے، اپنے ہاتھوں کو صاف کرتے ہوئے اپنی روح کی طہارت کی جانب متوجہ ہوتے۔ ہم سے کہتے ہیں کہ جب اس پانی، جب اس طہور، جب اس مادے کا سامنا کرو جسے خدا نے پاکیزگی کا ذریعہ قرار دیا ہے، جب اس مادے کی طرف جاؤ اور تمہاری نگاہ اس پر پڑے اور اپنے ہاتھوں کو اس سے دھوؤ اور پاک کرو تو یہ بات ذہن میں رکھو کہ ایک اور پاکیزگی بھی ہے، ایک اور پانی بھی ہے، وہ پاکیزگی روح کی پاکیزگی ہے اور وہ پانی، توبہ کا پانی ہے۔

کہتے ہیں کہ ہاتھوں کو دھونے کے بعد علیؑ اپنے چہرے پر پانی ڈالتے اور فرماتے:

اَللّٰهُمَّ بَیِّضْ وَجْهِی یَوْمَ تَسْوَدُّ فِیْهِ الْوُجُوْهُ وَلَا تُسَوِّدْ وَجْهِی یَوْمَ تَبْیَضُّ فِیْهِ الْوُجُوْهُ۔

آپ اپنے چہرے کو دھوتے ہیں اور حسبِ ظاہر صاف کرتے ہیں۔ خوب! جب اپنے چہرے کو پانی سے دھوتے ہیں تو وہ سفید براق ہو جاتا ہے۔ لیکن علیؑ اسی پر اکتفا نہیں

[illegible] بھی اسی پر [illegible] ہیں۔ چنانچہ [illegible] اس پر عمل بھی کرنا چاہتے ہیں [illegible] ساتھ اور ایک اور تو راتیت کے ہمراہ چہرے پر ایک اور سفیدی [illegible] چاہتے۔ [illegible] اس دن روشن [illegible] جس دن چہرے سیاہ ہو جائیں (روز قیامت) [illegible] سیاہ [illegible] دن چہرے روشن ہو جائیں۔

اس کے بعد داہنے ہاتھ پر پانی ڈال کے فرماتے ہیں: اللّٰھمّ اعطنی کتابی بیمینی و الخلد فی الجنان بیساری و حاسبنی حسابا یسیرا (خدایا! قیامت میں میرا نامہ اعمال میرے داہنے ہاتھ میں دینا (کیونکہ کامیاب اور نجات یافتہ لوگوں کا نامۂ اعمال ان کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا) اور جنت مجھے آسانی سے عنایت فرما دینا اور حساب میں بھی آسانی فرمانا)۔ اس طرح آپؑ آخرت کے حساب کو یاد کرتے ہیں۔

اس کے بعد بائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں: اللّٰھُم لا تعطی کتابی بشمالی ولا من وراء ظھری ولا تجعلھا مغلولۃ الی عنقی واعوذبک من مقطعات النیران (خدایا! میرا نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں یا پشت کی طرف سے نہ دینا۔ [illegible] نامہ اعمال انہیں پیچھے سے پکڑایا جائے گا اور یہ بھی ایک رمز ہے) اور نہ میرے ہاتھوں کو میری گردن سے باندھ دینا۔ میں جہنم کی آگ کے قطعات سے تیری پناہ چاہتا ہوں)

[illegible] اس کے بعد آپؑ [illegible] کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اللّٰھمّ غشنی برحمتک و برکتک [illegible] مجھے اپنی رحمت [illegible] ڈھانپ لے)

پھر آپؑ نے پیر کا مسح کرتے ہوئے فرمایا: اللّٰھمّ ثبت قدمی علی الصراط یوم تزل فیہ الاقدام (خدایا! [illegible] قدموں کو صراط پر اس دن ثابت رکھنا جس

ان سارے قدم پھسل رہے ہوں گے) واجعل سعیی فیما یرضیک عنی (میرے عمل اور کدوکاوش کو ان کاموں میں قرار دینا جو تجھے راضی کرسکیں)

ایسا وضو جو اس قدر شوق و اشتیاق اور توجہ و اہتمام کے ساتھ کیا جائے گا، وہ (بارگاہِ الٰہی میں) ایک مختلف ہی انداز سے قبول کیا جائے گا، اور وہ وضو جو ہم اور آپ کرتے ہیں اسکی قبولیت کسی اور طرح کی ہوگی۔

پس نماز کو معمولی نہیں سمجھنا چاہئے، سبک نہیں شمار کرنا چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ انسان دورانِ نماز صرف اسکے واجبات کی ادائیگی پر اکتفا کی کوشش کرے۔ (اور جب کوئی اسے اس جانب متوجہ کرے تو کہے۔) آؤ، دیکھیں، مرجع تقلید کا فتویٰ کیا ہے؟ کیا وہ کہتے ہیں کہ (دوسری اور تیسری رکعت میں) تین مرتبہ سبحان اللہ، والحمد للہ، ولا الہ الا اللہ، واللہ اکبر کہنا چاہئے، یا اسے ایک ہی مرتبہ کہنا کافی قرار دیتے ہیں؟

جی ہاں (درست ہے کہ)، مجتہد فتویٰ دیتے ہیں کہ اسے ایک ہی مرتبہ کہنا کافی ہے۔ البتہ ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ احتیاط مستحب یہ ہے کہ اسے تین مرتبہ کہا جائے۔ لہٰذا ہمیں یہ نہیں کہنا چاہئے کہ جب مجتہد نے ایک مرتبہ کہنا کافی قرار دیا ہے تو ہم بھی صرف ایک ہی مرتبہ کہیں گے۔ یہ دراصل نماز سے بچ نکلنا ہے۔ ہمیں ایسا ہونا چاہئے کہ اگر مجتہد ایک مرتبہ کہنا واجب قرار دے اور مزید دو مرتبہ کہنا مستحب سمجھے، تو ہم بہتر سمجھتے ہوئے اس مستحب کو بھی انجام دیں ہے۔

روزے کو بھی معمولی اور خفیف نہیں بنا دینا چاہئے۔ بعض لوگوں کا روزہ رکھنے کا ایک خاص انداز ہے (یہ میں از راہِ مذاق کہہ رہا ہوں) کہ نعوذ باللہ اگر میں خدا کی جگہ ہوں تو کسی صورت ان کا یہ روزہ قبول نہ کروں۔

میں ایسے لوگوں کو جانتا ہوں جو ماہِ رمضان میں رات بھر نہیں سوتے۔ البتہ ان کی یہ شب بیداری عبادت کی غرض سے نہیں ہوتی ہے۔ اس لئے جاگتے ہیں کہ ان کی نیند پوری نہ

دیکھتے۔ صبح تک چائے پیتے اور سگریٹ نوشی میں وقت گزارتے ہیں۔ صبح طلوع ہونے سے بعد اول وقت نماز فجر پڑھ کے سو جاتے ہیں اور (سارے دن سو کر) اس وقت بیدار ہوتے ہیں جب ظہر اور عصر کی نماز کی ادائیگی کا انتہائی قلیل وقت باقی رہ جاتا ہے۔ اور پھر برق رفتاری سے یہ نمازیں پڑھنے کے بعد افطار کے سامنے آ بیٹھتے ہیں۔

آخر یہ کس قسم کا روزہ ہے؟

انسان رات بھر صرف اس لئے نہ سوئے کہ دن میں روزہ رکھ کر سوتا رہے' تاکہ روزے کی سختی اور مشقت محسوس نہ کرے۔

کیا یہ روزے کو معمولی سمجھنا نہیں؟

میرے خیال میں تو یہ روزے کو گالی دینے کے مترادف ہے' یعنی یہ تو زبان حال سے یہ کہنا ہے کہ اے روزے! میں تجھ سے اس قدر نفرت کرتا ہوں کہ تیرا چہرہ نہیں دیکھنا چاہتا!!

ہم حج کرتے ہیں لیکن حقارت کے ساتھ' روزہ رکھتے ہیں لیکن معمولی بنا کے' نماز پڑھتے ہیں لیکن سبک کر کے' اذان کہتے ہیں لیکن بے حیثیت انداز میں۔

دیکھئے ہم اذان کو کیسے بے حیثیت کرتے ہیں؟

مؤذن کا ''صیت'' یعنی خوش آواز ہونا مستحب ہے۔ اسی طرح جیسے قرآن مجید کی قراءت کے لئے تجوید یعنی حروفِ قرآن کی خوبصورتی کے ساتھ ادائیگی' خوبصورت آواز میں قرآن پڑھنا سنت ہے جو روح پر بھی بہت زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔ اسی طرح اذان میں بھی مستحب یہ ہے کہ مؤذن ''صیت'' یعنی خوش آواز ہو' اس انداز سے اذان کہے کہ سننے والوں پر وجد طاری کر دے' اذان میں خدا کی یاد تازہ کر دے۔

بہت سے لوگ خوش آواز ہیں اور اچھے انداز میں اذان پڑھتے ہیں۔ لیکن اذان سے پہلے جب [illegible] آئے پڑھنے آن آپ اذان [illegible]

ہوتے ہیں کہ اس کام کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا میں اس قدر حقیر شخص ہوں کہ موذن بنوں؟

جناب! موذن ہونے پر تو آپ کو فخر ہونا چاہئے۔ علی ابن ابی طالب موذن تھے۔ جس دور میں آپ خلیفہ تھے اس دور میں بھی اذان کہا کرتے تھے۔ موذن ہونے کو اپنی توہین سمجھنا یا موذن ہونے کو کسی خاص طبقے سے وابستہ قرار دینا اور یہ کہنا کہ میں جو اشراف و عمائدین میں سے ہوں، رجال و شخصیات میں میرا شمار ہوتا ہے میں اذان دوں؟ ـــــ یہ سب باتیں اذان کی تحقیر کرنا اور اسے حقیر سمجھنا ہیں۔

پس ہمیں کسی بھی صورت میں عبادت کی تحقیر نہیں کرنی چاہئے۔ ہمیں ایک کامل اور جامع مسلمان ہونا چاہئے۔ اسلام کی حیثیت اور قدر و قیمت اس کی جامعیت میں ہے۔ نہ تو ہمارا کردار یہ ہو کہ صرف عبادات سے چپکے رہیں اور اسلام کی تمام چیزوں کو ترک کر دیں اور نہ ہی ہمیں دورِ حاضر میں پیدا ہونے والے ان لوگوں کی مانند ہونا چاہئے جنہیں اسلام کی صرف اجتماعی تعلیمات ہی نظر آتی ہیں اور عبادات کی تحقیر کرتے ہیں۔

انشاء اللہ آئندہ شب جب ہم اسی بحث کے تسلسل میں مباحث پیش کریں گے تو دوسرے تمام اسلامی فرائض کی نظر سے عبادت کی اہمیت پر گفتگو کریں گے۔ اور واضح کریں گے کہ خود عبادت خدا سے تقرب کا ایک رکن اور مرکب (سواری) ہونے کے علاوہ نیز عبادات کی ... سے "واقم الصلوۃ لذکری"(۱) نماز کا مقصد یادِ خدا اور تقرب الٰہی ہے اور خدا کا تقرب ہمارے نزدیک خود ایک بڑا مقصد ہے کہ جسے اپنے سے بڑے کسی اور مقصد کی ضرورت نہیں (خود یہی اعلیٰ ترین مقصد ہے)۔ لیکن جب ہم قطع نظر کر کے عبادت کی تحقیر کریں تو دوسرے تمام فرائض کی ادائیگی سے بھی رہ جاتے ہیں۔ عبادت

۱۔ سورۂ طٰہٰ ۲۰۔ آیت ۱۴

تمام دوسرے اسلامی احکام وفرامین کی توجیہ اور ان کے اجراء کی ضمانت ہے۔

یہیں پر ہم اپنی گفتگو ختم کرتے ہیں۔

خدایا! تجھے تیری درگاہ کے عبادت گزار بندوں کے حق کا واسطہ، ان صاحبان قرآن کے صدقے، اپنے پاکیزہ اور مخلص مناجات کرنے والوں کے صدقے، ہم سب کو حقیقی عبادت گزاروں میں قرار دے۔

بارالہا! ہمیں دین اسلام کی جامعیت سے آشنا فرما اور ہمیں ایک جامع مسلمان بنادے۔

پروردگارا! ہم سب کو خلوصِ نیت کی توفیق کرامت فرما۔

الٰہی! ان محترم شبوں میں ہمارے گناہوں کو بخش دے، ہمارے مرحومین کی مغفرت فرما۔

”رَحِمَ اللهُ قرأ الْفاتِحةَ معَ الصَّلَوات“

عبادت و نماز

⟨۲⟩

بسم اللہ الرحمن الرحیم

''انّ الصّلوۃ تنھی عن الفحشاء و المنکر ط ولذکرُ اللہ اکبرُ''

''بے شک نماز ہر برائی اور بدکاری سے روکنے والی ہے اور اللہ کا ذکر بہت بڑی شے ہے۔'' (سورۂ عنکبوت ۲۹-آیت ۴۵)

عبادت اور تربیت

اسلام میں عبادات اصل اور بنیاد کی حامل ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی تربیتی اہمیت کی حامل بھی ہیں۔ اس بات کی وضاحت یوں کی جاسکتی ہے کہ عبادات کے اصل اور بنیاد کے حامل ہونے کے معنی یہ ہیں کہ دوسرے ہر پہلو سے قطع نظر انسانی تمدن کے مسائل سے قطع نظر خود عبادت مقاصدِ خلقت میں سے ہے۔

''وما خلقت الجنّ والانس الّا لیعبدون۔''

''اور میں نے جنات اور انسان کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔'' (سورۂ ذاریات ۵۱-آیت ۵۶)

عبادت انسان کے حقیقی کمال اور قرب الٰہی کا ایک وسیلہ ہے۔

ایسی چیز جو خود انسان کے کمال کا مقصد اور خود ہدف اور غایت ہے اسکے لئے

ضروری نہیں کہ وہ کسی دوسری چیز کا مقدمہ اور وسیلہ ہو۔ لیکن اسکے باوجود عبادات اس صفت کی حامل ہونے کے ساتھ ساتھ دوسری چیز کا مقدمہ بھی ہیں۔ یعنی جیسا کہ ہم نے عرض کیا (عبادات) اسلام کی تربیتی اسکیم کا حصہ ہیں۔ یعنی اسلام جو اخلاقی اور اجتماعی لحاظ سے افراد کی تربیت کرنا چاہتا ہے وہ اس مقصد کے لئے جو وسائل اختیار کرتا ہے ان میں سے ایک وسیلہ عبادت ہے اور اتفاق سے یہ وسیلہ انسان کے اخلاق اور روح پر دوسرے وسیلے سے زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔ ایسا کس طرح ہے؟ ہم آئندہ سطور میں اس کی وضاحت کریں گے۔

اخلاقی مسائل کا محور "ایثار و فداکاری" اور اپنے فائدے اور منفعت کو پس پشت رکھنا ہے۔ جس طرح "حمیہ" یعنی پرخوری سے اجتناب جسمانی سلامتی کا ایک اصول ہے جو (جسمانی صحت سے متعلق) تمام خوبیوں کی اساس اور بنیاد ہے اسی طرح اخلاق میں بھی ایک چیز ہے جو تمام اخلاقی مسائل کی اصل اساس ہے اور وہ ہے اپنی ذات سے گزر جانا اپنی ذات کو بھلا دینا "انانیت" کی اسیری سے آزاد ہو جانا اور "میں" کو ترک کر دینا۔

اجتماعی مسائل میں عدالت کا اصول تمام اصولوں کی ماں ہے۔ عدالت یعنی دوسرے افراد کے حق کو ملحوظ رکھنا ان کے حقوق کی رعایت کرنا۔

وہ مشکل جس سے انسانیت اخلاقی مسائل میں بھی دوچار ہے اور اجتماعی مسائل میں بھی اس کا سامنا کر رہی ہے وہ ان اصولوں کو روبہ عمل لانے کا مسئلہ ہے۔ یعنی کوئی بھی شخص ایسا نہیں جو اخلاق سے نا واقف ہو یا اس بات کا علم نہ رکھتا ہو کہ عدالت کی رعایت ضروری ہے۔ لیکن مشکل اس وقت پیش آتی ہے جب ان اصولوں پر عمل کا مرحلہ آتا ہے۔ جس وقت انسان کسی اخلاقی اصول کی پابندی کرنا چاہتا ہے تو اسے نظر آتا ہے کہ اس کا مفاد اور منفعت ایک طرف ہے اور اس اخلاقی اصول کی پابندی دوسری طرف۔ وہ دیکھتا ہے کہ راست گوئی ایک طرف ہے اور منفعت اور فائدہ دوسری طرف۔ یا تو وہ جھوٹ

بجائے خیانت کرے اور نفع حاصل کرلے، یا پھر سچ بولے امانت داری کا ثبوت دے اور اپنے منافع کو پس پشت ڈال دے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں ہم دیکھتے ہیں کہ عدل واخلاق کا معلم بننے والا انسان بھی عمل کے موقع پر اخلاق اور عدالت کی مخالف راہ اختیار کرتا ہے۔

ایمان کی تاثیر

جو چیز اخلاق اور عدالت کی پشت پناہ اور ضمانت ہے، اور جو اگر انسان میں پیدا ہو جائے تو انسان با آسانی اخلاق اور عدالت کے راستے پر قدم بڑھا سکتا ہے اور اپنے نفع اور مفاد سے دستبردار ہوسکتا ہے، وہ صرف ''ایمان'' ہے۔

البتہ کونسا ایمان؟ جی ہاں، خود عدالت پر ایمان، خود اخلاق پر ایمان۔

انسان میں عدالت پر ایک مقدس امر کے طور پر، اخلاق پر ایک مقدس امر کے طور پر ایمان کب پیدا ہوتا ہے؟

(یہ ایمان) اس وقت (پیدا ہوتا ہے) جب وہ تقدس کی اصل واساس یعنی ''خدا'' پر ایمان رکھتا ہو۔ لہذا انسان عملاً اتنا ہی عدالت کا پابند ہوتا ہے جتنا خدا کا معتقد ہوتا ہے، عملاً اتنا ہی اخلاق کا پابند ہوتا ہے جتنا خدا پر ایمان رکھتا ہے۔

ہمارے دور کی مشکل یہی ہے کہ (لوگ) سمجھتے ہیں کہ ''علم'' کافی ہے۔ یعنی بااخلاق اور عادل ہونے کے لئے عدالت اور اخلاق سے واقف ہونا اور ان کا علم رکھنا ہی کافی ہے۔ لیکن تجربے نے بتایا ہے کہ اگر علم کے ساتھ ایمان کا پشت پناہ نہ ہو تو یہ عدالت اور اخلاق کے ساتھ نہ صرف مفید نہیں بلکہ مضر بھی ہے۔ اور [illegible] کے مصداق ہو جاتا ہے کہ [illegible] (جب چور چراغ لے کر آتا ہے تو چن چن کر [illegible] لے جاتا ہے)

[illegible] عدالت [illegible] آ جاتے۔ [illegible]

ایمان کے بغیر اخلاق اور عدالت ایسے ہی ہے جیسے بغیر ضمانت کے کرنسی نوٹوں کا جاری کر دینا۔ جب مذہبی ایمان آجاتا ہے تو اخلاق اور عدالت بھی آجاتے ہیں۔

یہیں پہنچ کر ہمیں نظر آتا ہے کہ اسلام نے خدا کی پرستش اور عبادت کو اخلاق اور عدالت سے جدا ایک علیحدہ مسئلہ قرار نہیں دیا ہے۔ یعنی جس عبادت کا اسلام حکم دیتا ہے اسکی چاشنی اخلاق اور عدالت کو قرار دیتا ہے۔ یا یہ کہیں کہ جس عدالت اور اخلاق کو تجویز کرتا ہے، اسکی چاشنی عبادت کو قرار دیتا ہے کیونکہ اسکے بغیر یہ ممکن نہیں۔

ایک مثال عرض کرتا ہوں: آپ کو کہاں، اور دنیا میں پائے جانے والے مکاتیب و ادیان میں سے کس مکتب اور دین میں یہ بات نظر آتی ہے کہ ایک مجرم خود اپنے قدموں سے چل کر آئے اور اپنے آپ کو سزا کے لئے پیش کرے؟ مجرم تو ہمیشہ سزا سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ واحد قدرت جو مجرم کو خود اپنے قدموں پر چلائے اور اپنے ارادے اور اختیار سے سزا کی طرف لاتی ہے وہ ''ایمان'' کی طاقت ہے، اسکے سوا کوئی اور چیز ایسا نہیں کر سکتی۔

جب ہم اسلام کے ابتدائی دور پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں ایسی بکثرت مثالیں نظر آتی ہیں۔ البتہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اسلام کے ابتدائی دور میں تو اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ اس ابتدائی دور کے سوا کسی اور دور میں ایسی مثالیں نہیں ملتیں۔ نہیں، صدر اسلام کے علاوہ دوسرے ادوار میں بھی، لوگوں میں پائے جانے والے ایمان کے تناسب سے ایسی مثالیں موجود ہیں۔

اسلام نے جرائم کے لئے سزاؤں کا تعین کیا ہے۔ مثلاً شراب نوشی کے مرتکب، زناکار اور چور کے لئے سزائیں معین کی ہیں۔ دوسری طرف اسلام میں ایک اصول ہے اور وہ یہ ہے کہ الحدود تدرأ بالشبھات یعنی حدود معمولی شک پر بھی ختم ہو جاتے ہیں۔ اسلام قاضی اور حاکم کو اس بات کا پابند نہیں کرتا کہ وہ مجرم کی تلاش کے لئے جاسوس

مجبور نہیں کرتیں۔ بلکہ مجرم کے دل میں ایک طاقت ڈالتا ہے جس کے اثر سے وہ خود اپنے آپ کو سزا کے لئے پیش کرتا ہے۔ پیغمبر اسلامؐ کے زمانے میں، امیرالمومنینؑ کے دور میں کثرت کے ساتھ ایسا ہوا کرتا تھا کہ لوگ خود پیغمبر یا امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور عرض کرتے کہ یا رسول اللہؐ (یا امیرالمومنینؑ) ہم فلاں جرم کے مرتکب ہوئے ہیں، ہمیں سزا دیجئے۔ ہم آلودہ ہیں، ہمیں پاک کر دیجئے۔

ایک شخص رسول اکرمؐ کی خدمت میں آیا اور کہا: اے اللہ کے رسولؐ! میں نے زنا کیا ہے، مجھے سزا دیجئے۔ (کیونکہ اس قسم کے مسائل میں ایسے شخص کے لئے چار مرتبہ اقرار کرنا ضروری ہے، ایک مرتبہ کا اقرار کافی نہیں لہذا) پیغمبرؐ نے فرمایا: لعلک قبلت، شاید تم نے اس عورت کا بوسہ لیا ہوگا اور کہہ رہے ہو کہ میں نے زنا کیا ہے (یعنی آنحضرتؐ اسے منھ میں الفاظ رکھ رہے ہیں)۔ اگر وہ کہے کہ ہاں میں نے بوسہ لیا ہے تو کہہ سکتے ہیں کہ بوس و کنار بھی زنا کی مانند ہے اور معاملہ صرف یہیں پر ختم ہو گیا ہوگا۔ اس نے کہا: نہیں، اے اللہ کے رسولؐ! میں نے زنا کیا ہے۔ فرمایا: لعلک غمزت، شاید تو نے برائی کا صرف ارادہ کیا ہوگا یا اس کے جسم کو چھوا ہوگا۔ (شاید وہ کہے کہ ہاں ایسا ہی تھا، اس سے زیادہ میں نے کچھ نہیں کیا تھا)۔ اس نے کہا: نہیں، اے اللہ کے رسولؐ! میں زنا کا مرتکب ہوا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: شاید تو زنا کے قریب قریب پہنچ گیا ہو اور درحقیقت زنا واقع نہ ہوا ہو؟ اس نے کہا: نہیں، اے اللہ کے رسولؐ! میں آلودہ ہوا ہوں، میں ناپاک ہو گیا ہوں۔ میں اس لئے آیا ہوں کہ آپؐ مجھ پر حد جاری فرمائیں اور اسی دنیا میں مجھے سزا دیں، میں نہیں چاہتا کہ میرا یہ جرم دوسری دنیا میں میرے ساتھ جائے۔

یہ حدیث جسے ہم پیش کر رہے ہیں "کافی" میں ہے (فروع کافی ... ص ٦٥)

ایک عورت امیرالمومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا اے امیرالمومنینؑ! میں

نے زنائے محصنہ کا ارتکاب کیا ہے، میں شادی شدہ ہوں، شوہر کی غیر موجودگی میں زنا کی مرتکب ہوئی ہوں اور اسکے نتیجے میں حاملہ ہوگئی ہوں۔ "طہرنی" مجھے پاک کر دیجئے، میں آلودہ ہوں۔ امامؑ نے فرمایا: ایک مرتبہ کا اقرار کافی نہیں، چار مرتبہ اقرار کرنا ضروری ہے(۱) پھر یہ کہ اگر ایک شادی شدہ عورت زنا کی مرتکب ہو تو اسے "رجم" یعنی سنگسار کیا جائے گا۔ میں اگر تمہیں سنگسار کرنے کا حکم دوں گا تو اس بچے کا کیا بنے گا جو تمہارے شکم میں ہے؟ بچے کو تو ہم سنگسار نہیں کر سکتے۔ تم جاؤ، بچے کی پیدائش کے بعد آنا، ہم اس بچے کی وجہ سے تمہیں سنگسار نہیں کر سکتے۔ یہ سن کر وہ عورت چلی گئی۔

چند ماہ بعد دیکھتے ہیں کہ وہی عورت چلی آرہی ہے، ایک بچہ بھی اس کی گود میں ہے۔ کہتی ہے: **یا امیر المومنین طہرنی**! اے امیر المومنین! مجھے پاک کر دیجئے۔ ہوں، میرا عذر یہ بچہ تھا، اب یہ دنیا میں آچکا ہے (یہ دوسرا اقرار تھا)۔ امیر المومنین نے فرمایا: اب اس موقع پر اگر ہم تجھے سنگسار کر دیں تو اس بچے کا کیا قصور ہے؟ ابھی اسے ماں کی ضرورت ہے، اسے ماں کا دودھ چاہئے، یہ ماں کی دیکھ بھال اور نگہداشت کا طالب ہے۔ فی الحال جاؤ، ابھی اس بچے کو تمہاری ضرورت ہے۔ وہ عورت دل شکستہ اور رنجیدہ حالت لئے لوٹ گئی۔

ایک دو سال بعد وہ عورت دوبارہ آئی، بچہ بھی اسکے ساتھ تھا اور آکے کہنے لگی: **یا امیر المومنین** طہرنی "اب میرا بچہ دودھ نہیں پیتا، اسے دودھ پلانے والی کی ضرورت نہیں رہی، بڑا ہوگیا ہے۔ اب مجھے پاک کر دیجئے۔ فرمایا نہیں، ابھی اس بچے کو ماں کی ضرورت ہے۔ ابھی جاؤ۔ یہ سن کر اس عورت نے بچے کا ہاتھ پکڑا، اب وہ روتی

---

(۱) [illegible]

جاتی تھی اور یہ کہتی جاتی تھی کہ خدایا یہ تیسری مرتبہ ہے کہ میں گناہ کی اس آلودگی سے پاک ہونے کی غرض سے تیرے (مقرر کردہ) امام کی خدمت میں آئی ہوں' خلیفہ مسلمین کے پاس آئی ہوں اور وہ ہیں کہ ہر مرتبہ ایک بہانہ کر کے مجھے واپس لوٹا دیتے ہیں۔ بار الہا! میں اس گندگی سے چھٹکارا چاہتی ہوں' میں آئی ہوں کہ وہ مجھے سنگسار کریں اور میں پاک ہو جاؤں۔ وہ یہ کہتی ہوئی جا رہی تھی کہ اتفاقاً اس پر عمرو بن حریث کی نگاہ پڑ گئی' یہ ایک منافق انسان تھا۔ اس نے عورت سے پوچھا کیا ہوا؟ کیا معاملہ ہے؟ عورت نے پورا قصہ کہہ سنایا۔ عمرو بن حریث نے کہا آؤ میرے ساتھ' میں تمہارا مسئلہ حل کرتا ہوں۔ تم ایسا کرو کہ بچہ میرے حوالے کر دو' میں اس کی کفالت قبول کرتا ہوں۔ اسے یہ معلوم نہ تھا کہ علیؑ اس عورت سے چوتھی مرتبہ اقرار لینا نہیں چاہتے۔

امام دیکھتے ہیں کہ وہ عورت اپنے بچے اور عمرو بن حریث کے ساتھ واپس چلی آ رہی ہے۔ آپؑ کے نزدیک آتی ہے اور کہتی ہے: یا امیر المومنینؑ! طهرنی (اے امیر المومنینؑ! مجھے پاک کر دیجئے) میں نے زنا کیا ہے' بچے کا مسئلہ بھی حل ہو گیا ہے' اس شخص نے اسے پالنے پوسنے کی ذمے داری لے لی ہے' اب آپ مجھے پاک کر دیجئے۔۔۔

کہتے ہیں کہ امیر المومنینؑ کو معاملے کا یہاں تک پہنچنا بہت ناگوار گزرا۔

یہ ایمان اور مذہب کی طاقت ہے جو انسان کے ضمیر کی گہرائیوں میں اثر انداز ہو کر اسے عدالت اور اخلاق کے سامنے جھکا دیتی ہے۔ عبادت اس لئے ہے تاکہ انسان کی ایمانی حیات کی تجدید ہو' اس کا ایمان تازہ ہو' اس میں طراوت اور نشاط پیدا ہو' وہ قوت اور طاقت حاصل کرے۔

جتنا انسان کا ایمان زیادہ ہوگا' اتنا ہی وہ خدا کو زیادہ یاد رکھے گا' اور جتنا انسان کو خدا یاد رہے گا اتنا ہی وہ گناہ کا کم مرتکب ہوگا۔ گناہ اور نافرمانی کرنے یا نہ کرنے کا دارومدار علم پر نہیں ہے' اس کا دارومدار غفلت اور یاد پر ہے۔ جتنا انسان غافل ہوگا' یعنی اس نے

جتنا خدا کو فراموش کرنے والا ہوگا، اتنا ہی زیادہ وہ گناہ کا ارتکاب کرے گا اور جتنا زیادہ وہ خدا کو یاد رکھے گا، اتنی ہی اسکی نافرمانیاں کم ہوں گی۔

عصمت اور ایمان

آپ نے سنا ہوا ہے کہ انبیاءؑ اور ائمہؑ معصوم ہوتے ہیں۔ اگر آپ سے پوچھا جائے کہ انبیاءؑ اور ائمہؑ کے معصوم ہونے کے کیا معنی ہیں؟ تو آپ اسکا جواب دیں گے کہ وہ کبھی کسی بھی صورت میں گناہ کے مرتکب نہیں ہوتے۔

ٹھیک ہے۔ (عصمت کے) معنی یہی ہیں۔ لیکن اگر اسکے بعد آپ سے سوال کیا جائے کہ (یہ لوگ) کیوں گناہ نہیں کرتے؟ تو ممکن ہے آپ اس سوال کا دو طرح سے جواب دیں۔ ایک یہ کہ انبیاءؑ اور ائمہؑ اس وجہ سے معصوم ہیں اور گناہ نہیں کرتے کہ خداوند عالم ان کے ارتکابِ گناہ میں رکاوٹ ہے، اس نے انہیں بہ جبر گناہ اور معصیت سے روکا ہوا ہے۔ یعنی جب کبھی وہ گناہ کرنا چاہتے ہیں، خدا رکاوٹ کھڑی کر دیتا ہے اور ان کا راستہ روک دیتا ہے۔

اگر عصمت کے معنی یہ ہیں تو یہ (انبیاءؑ اور ائمہؑ کے لئے) کوئی فضیلت اور کمال نہیں۔ اگر میرے اور آپ کے ساتھ بھی اسی طرح ہونے لگے کہ جوں ہی ہم گناہ کرنا چاہیں، خدا کی نافرمانی کرنا چاہیں تو ایک خارجی طاقت ہمارے راستے میں حائل ہو جائے، ہمارے مانع و مزاحم ہو جائے اور ہمارے اور گناہ کے درمیان رکاوٹ بن جائے۔ ایسی صورت میں بحالتِ مجبوری ہم بھی گناہ سے محفوظ رہیں گے۔

پس، ایسی صورت میں انہیں (انبیاؑ اور ائمہؑ کو) ہم پر کیا فضیلت ہوئی؟ اس صورت میں ان کے اور ہمارے درمیان صرف یہ فرق ہوگا کہ وہ خدا کے ایسے بندے ہیں جنہیں اس نے خاص امتیاز دیا ہوا ہے، جب وہ خدا کی نافرمانی کرنا چاہتے ہیں تو خدا ان کے

راستے میں حائل ہو جاتا ہے لیکن (نہیں یہ اختیار حاصل نہیں) جب ہم نافرمانی کا ارادہ کرتے ہیں تو خدا ہمارا راستہ نہیں روکتا۔

نہیں، یہ خیال غلط فہمی پر مبنی ہے۔ ان (انبیاء اور ائمہ) کے معصوم ہونے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ گناہ کرنا چاہتے اور خدا ان کے مانع ہو جاتا ہے!

پس پھر حقیقت کیا ہے؟

عصمت کے معنی، ایمان کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز ہونا ہے۔ جتنا ایمان زیادہ ہوگا اتنا ہی انسان کو خدا زیادہ یاد رہے گا۔ مثلاً ایک بے ایمان انسان ایک روز گزارتا ہے ایک ہفتہ گزارتا ہے، ایک مہینہ گزارتا ہے، جو چیز اسکے ذہن میں پھٹکتی تک نہیں، وہ خدا ہے۔ ایسا شخص بالکل غافل ہے۔

بعض لوگوں کو کبھی کبھی خدا یاد آتا ہے۔ اس موقع پر انہیں خیال ہوتا ہے کہ ہمارا ایک خدا ہے، خدا ہمارے سروں پر ہے اور وہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔ لیکن خدا ان ایک لمحے کے لئے ان کے ذہن میں آتا ہے، اسکے بعد وہ اسے ایسا بھلا دیتے ہیں جیسے سرے سے کسی خدا کا وجود ہی نہیں۔

لیکن بعض افراد مومن کا ایمان (مذکورہ بالا لوگوں سے کچھ) زیادہ ہوتا ہے، کبھی غفلت میں ہوتے ہیں، کبھی بیدار۔ جب غافل ہوتے ہیں تو ان سے گناہ صادر ہوتے ہیں لیکن جب بیدار ہوتے ہیں تو اس بیداری کے نتیجے میں ان سے گناہ صادر نہیں ہوتے۔ کیونکہ جب وہ خدا کی جانب متوجہ ہوتے ہیں تو ان سے گناہ کے صدور کا امکان ختم ہو جاتا ہے۔

لایزنی الزانی وھو مومن (کوئی حالت ایمان میں زنا نہیں کرسکتا۔ وسائل الشیعہ ج ۱۔ ص ۲۴۔ ح ۱۴)

جب انسان کی روح میں پکا ایمان موجود ہو اور وہ بیدار ہو تو گناہ میں مبتلا نہیں ہوتا۔ اب اگر انسان کا ایمان کمال کی حدوں کو چھو لے یہاں تک کہ وہ خدا کو ہمیشہ حاضر

نظر تجھنے لگے۔ یعنی خدا ہمیشہ اس کے دل میں موجود ہو تو اس صورت میں وہ کبھی بھی غافل نہیں ہوتا' ہر عمل کی انجام دہی کے دوران خدا کی یاد اسکے ساتھ ساتھ ہوتی ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے

''رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ''

''وہ مرد جنہیں کاروبار یا خرید وفروخت ذکرِ خدا سے غافل نہیں کر سکتی۔''

(سورۂ نور۲۴ - آیت ۳۷)

(قرآن) یہ نہیں کہتا کہ وہ لوگ جو تجارت نہیں کرتے۔ اسلام لوگوں کو تجارت اور کاروبار سے روکنے کے لئے نہیں آیا۔ یہ نہیں کہتا کہ تجارت نہ کرو۔ اسکے برعکس حوصلہ افزائی کرتا ہے کہ محنت کرو' کماؤ' کاروبار کرو' تجارت کرو۔ وہ لوگ جو خرید وفروخت کرتے ہیں' تجارت کرتے ہیں' کماتے ہیں' ملازمت کرتے ہیں لیکن ان سب چیزوں کے باوجود ایک لمحے کے لئے بھی خدا سے غافل نہیں ہوتے۔ دکان کے کاؤنٹر پر کھڑے ہوتے ہیں' چیزیں فروخت کرتے ہیں' تولتے ہیں' بولتے ہیں' پیسے لیتے ہیں اور مال حوالے کرتے ہیں لیکن جس چیز کو وہ ایک لمحے کے لئے بھی فراموش نہیں کرتے وہ ''خدا'' ہے۔ خدا ہمیشہ ان کے ذہن میں رہتا ہے۔

اگر کوئی ہمیشہ بیدار ہو' ہمیشہ خدا اسکے ذہن میں ہو' تو قدرتی بات ہے کہ وہ کبھی بھی گناہ کا مرتکب نہیں ہوگا۔ البتہ ہم ایسی دائمی بیداری معصومینؑ کے سوا کسی اور میں نہیں پاتے۔ (چنانچہ) معصومین یعنی وہ لوگ جو کسی بھی لمحے خدا کو نہیں بھولتے۔

آپ کی خدمت میں ایک مثال عرض کرتا ہوں' کیا کبھی آپ کے ساتھ ایسا اتفاق ہوا ہے کہ (آپ نے جانتے بوجھتے) اپنا ہاتھ آگ میں ڈال دیا ہو' یا آگ میں کود پڑے ہوں؟ اگر آپ کو معلوم نہ ہو' بے خبری میں ایسا ہو گیا ہو تو دوسری بات ہے۔ پوری زندگی میں ایک بار بھی ایسا نہیں ہوتا کہ ہم میں سے کوئی ارادتاً خود کو آگ میں جھونک دے۔ البتہ

اگر ہم خودکشی کرنا چاہیں تو (بات دوسری ہے)۔

ایسا کیوں ہے؟ ایسا اس لئے ہے کہ ہم بخوبی یہ بات جانتے ہیں کہ آگ کا کام جلانا ہے۔ یہ جانتے ہیں کہ اگر آگ کے بھڑکتے شعلوں میں گر جائیں تو یقیناً زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ ہم قطعی اور یقینی طور پر اس بات کا علم رکھتے ہیں اور جوں ہی ہمیں آگ نظر آتی ہے یہ علم ہمارے ذہن میں حاضر ہو جاتا ہے اور ہم ایک لمحے کے لئے بھی اس سے غافل نہیں ہوتے۔ لہذا ہم اپنے آپ کو آگ میں جھونکنے سے معصوم ہیں۔ یعنی ہمیں حاصل یہ علم و یقین اور ایمان کہ آگ جلانے کی صلاحیت رکھتی ہے، ہمیں آگ میں کود پڑنے سے باز رکھتے ہیں۔

جتنا ہم آگ کے جلانے کی صلاحیت پر ایمان رکھتے ہیں اتنا ہی اولیائے خدا گناہ کے جلانے کی صلاحیت پر ایمان رکھتے ہیں۔ لہذا وہ معصوم ہوتے ہیں (کسی گناہ کے قریب نہیں جاتے)۔

اب جبکہ معصوم کے معنی معلوم ہو چکے ہیں تو اس نکتہ کا مقصد بھی واضح ہو گیا ہوگا کہ ''عبادت اسلامی تربیت کا حصہ ہے''۔ عبادت کا فلسفہ یہ ہے کہ انسان کو تھوڑی تھوڑی دیر بعد خدا کی یاد دلائی جائے اور انسان کو جتنا خدا یاد ہوگا اتنا ہی زیادہ وہ خالق، عدالت اور حقوق کا پابند ہوگا۔ یہ ایک بالکل واضح (clear) بات ہے۔

اسلام، دنیا اور آخرت کا جامع

اب اپنی پوری توجہ اس موضوع پر مرکوز فرمائیے کہ اسلام میں دنیا اور آخرت کس طرح باہم ملے ہوئے ہیں۔ اسلام مسیحیت کی طرح نہیں ہے۔ مسیحیت میں دنیا اور آخرت کا حساب جدا جدا ہے۔ مسیحیت کہتی ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں علیحدہ علیحدہ عالم ہیں۔ (ان دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار کیا جا سکتا ہے) یا یہ یا وہ۔ لیکن اسلام میں یہ نہیں

ہے۔ اسلام آخرت کو دنیا کے ساتھ اور دنیا کو آخرت کے ہمراہ قرار دیتا ہے۔ مثلاً نماز ہی کو لے لیجئے' اسکا خالص اخروی پہلو یہ ہے کہ انسان خدا کو یاد کرے' خوفِ خدا رکھے۔

حضورِ قلب اور خدا کی جانب متوجہ ہونے کیلئے اس قدر ادب آداب کی ضرورت نہیں کہ انسان پہلے جائے وضو کرے' اپنے آپ کو دھوئے' صاف کرے۔ کیا خدا سے ملاقات کے لئے وضو اور پاکیزگی کوئی تاثیر رکھتی ہے؟ خدا کے حضور جانے کے لحاظ سے اس بات کی کوئی تاثیر نہیں کہ انسان کا منہ دھلا ہوا ہے یا نہیں' لیکن خداوند عالم فرماتا ہے اذا قمتم الی الصلوة فاغسلوا وجوهكم وايديكم الى المرافق (۱) پھر اسکے بعد نماز پڑھو۔

دیکھا آپ نے (اسلام نے) صفائی کو عبادت کے ساتھ ملا دیا ہے وان کنتم جنبا فاطهروا (۲) اور یہاں عبادت کے ساتھ پاکیزگی کا ذکر ہے۔

اگر آپ نماز پڑھنا چاہتے ہیں تو آپ کی عبادت کی جگہ مباح ہونی چاہئے' غصب شدہ نہ ہو۔ وہ جانماز جس پر کھڑے ہو کر آپ نماز پڑھتے ہیں' وہ لباس جسے پہن کر آپ نماز ادا کرتے ہیں' اسے حلال اور مباح ہونا چاہئے۔ اگر آپ کے لباس کا ایک دھاگا بھی غصبی ہوا تو آپ کی نماز باطل ہو جائے گی۔ اس مقام پر عبادت حقوق کا دامن تھام لیتی ہے۔ خدا کی عبادت کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ کہا جا رہا ہے کہ (لوگوں کے) حقوق کا بھی احترام کیجئے۔ یعنی اسلام کہتا ہے کہ میں ایسی عبادت قبول ہی نہیں کرتا جس میں دوسروں کے حقوق کا پاس و لحاظ نہ رکھا گیا ہو۔

۱۔ ایمان والو! جب بھی نماز کے لئے اٹھو تو پہلے اپنے چہروں کو اور کہنیوں تک اپنے ہاتھوں کو دھوؤ۔ سورۂ مائدہ۔ آیت ۶۔

۲۔ اور اگر جنابت کی حالت میں ہو تو غسل کرو۔ سورۂ مائدہ۔ آیت ۶۔

لہٰذا جب نماز پڑھنے والا کوئی شخص نماز پڑھنا چاہتا ہے تو پہلے یہ دیکھتا ہے کہ یہ گھر جس میں میں ہوں اسے میں نے کسی سے بالجبر تو نہیں چھینا؟ اگر جبراً قبضہ کیا ہوں تو میری نماز باطل ہوگی۔ پس اگر وہ نماز پڑھنا چاہتا ہے تو مجبور ہے کہ پہلے اپنے لئے ایک ایسے گھر کا بندوبست کرے جو اس کے لئے حلال ہو۔ یعنی اسکے اصل مالک سے خریدا ہوا ہو یا وہ (مالک) اسکے وہاں رہنے سے راضی ہو۔ وہ جس فرش پر کھڑا ہے اس کا مسئلہ بھی یہی ہے۔ اسکا لباس بھی ایسا ہی ہونا چاہئے حتیٰ اگر ناداروں کے حقوق خمس یا زکات (وغیرہ) بھی اس کے ذمے ہوں تو انہیں بھی ادا کرے۔ مگر اس نے انہیں ادا نہ کیا ہوگا تو بھی اسکی نماز باطل ہوگی۔

اسی طرح (اسلام) ہم سے کہتا ہے اگر نماز پڑھنا چاہتے ہو تو تم سب کو کعبہ کی طرف رخ کر کے کھڑے ہونا ہوگا۔ کعبہ کہاں ہے؟ وہ اولین معبد جو دنیا میں خدا کی پرستش کے لئے بنایا گیا کہاں واقع ہے؟ انَّ اوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا (بے شک سب سے پہلا مکان جو لوگوں کے لئے بنایا گیا ہے وہ مکہ میں ہے، مبارک ہے۔ سورہ آل عمران ۳۔ آیت ۹۶)۔ تم سب پر اس اولین معبد اور مسجد کی سمت رخ کر کے کھڑا ہونا لازم ہے جسے خدا کے عظیم پیغمبر ابراہیمؑ اور ان کے فرزند اسماعیل نے تعمیر کیا ہے۔

سوال یہ ہے کہ ہم کعبہ کی طرف رخ کر کے کیوں کھڑے ہوں؟ کیا وہاں خدا ہے؟ کیا خدا (معاذ اللہ) خانۂ کعبہ کے اندر ہے؟ قرآن مجید جو یہ کہتا ہے کہ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (۱)۔ تم جہاں کہیں رخ کر کے کھڑے ہو جاؤ، وہیں خدا ہے، تم چاہے دائیں طرف رخ کر و یا بائیں طرف، خدا کی طرف رخ کر کے کھڑے ہو۔ اگر رخ کرو یہ

۱۔ جب مسلمانوں نے [illegible] قبلہ کا رخ [illegible] سورہ بقرہ ۲۔ آیت ۱۱۵

پنے خدا کی طرف تمہارا رخ ہوگا۔ اور پیغمبرؐ نے فرمایا ہے: اگر تمہیں رسی سے باندھ کر نیچے زمین کے ساتویں طبقے تک بھی لے جائیں تب بھی خدا کی طرف جاؤ گے۔ مشرق کی طرف جاؤ، تب بھی خدا کی طرف جاؤ گے، مغرب کی طرف جاؤ، تب بھی خدا کی طرف جاؤ گے، یہاں جو بیٹھے ہوئے ہو، خدا کے ساتھ ہو۔ خدا کی کوئی سمت نہیں۔

(اگر ایسا ہے تو) پھر ہم کعبہ کی طرف رخ کر کے کیوں کھڑے ہوں؟

(اسلام) کہتا ہے کہ آپ عبادت کی انجام دہی کے دوران ایک اجتماعی تعلیم و تربیت بھی حاصل کیجیے۔ آپ سب کو ایک نقطۂ واحد کی طرف رخ کر کے کھڑے ہونا چاہیے، اگر ایسا نہ ہو تو ایک شخص ایک طرف رخ کیے کھڑا ہوگا اور دوسرا دوسری طرف اور یہ تفرقے اور انتشار کی علامت ہے۔ لیکن اگر تمام لوگ ایک نقطے کی جانب رخ کر کے کھڑے ہوں تو اس کا مطلب ہے کہ سب یکسو ہیں۔

تمام مسلمانوں کی ایک ہی سمت اور جہت ہونی چاہیے، اس مقصد کے لیے کس نقطے کا انتخاب کریں جس میں شرک کی بو بھی نہ پائی جاتی ہو؟ ۔۔۔ (اسلام) کہتا ہے کہ اس نقطے کا انتخاب کرو جس کی طرف رخ کر کے کھڑے ہونے پر کہا جائے کہ تم نے عبادت کا احترام محفوظ رکھا ہے، اس سمت رخ کر کے کھڑے ہو جو اولین معبد ہے، معبد کا احترام عبادت کا احترام ہے۔

پھر (اسلام) کہتا ہے کہ اگر عبادت کرنا چاہتے ہو تو اس کا ایک معین اور خاص وقت ہے جس میں معینہ دنوں کا بھی خیال رکھا جانا چاہیے۔ صبح کی نماز کا وقت طلوعِ صبح کے آغاز سے لے کر طلوعِ آفتاب کی ابتدا تک ہے۔ اگر تم نے صبح طلوع ہونے سے ایک گھنٹہ پہلے یا سورج طلوع ہونے کے بعد نماز شروع کی تو تمہاری نماز باطل ہوگی درست نہ ہوگی۔ نماز کو ان دو (اوقات) کے درمیان ہونا چاہیے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ کہیں کہ مجھے نیند آ رہی ہے، رات بھر کا جاگا ہوا ہوں، گو ابھی صبح طلوع ہونے میں ایک

گھنٹہ باقی ہے، یوں بھی خدا کو نہ تو نیند آتی ہے اور نہ بیداری کا اس سے کوئی تعلق ہے، کیا خدا طلوعین کے درمیان (معاذ اللہ) اپنا مخصوص لباس پہن کر نماز قبول کرنے کے لئے تیار ہو کے بیٹھتا ہے؟۔۔۔ خدا کے لئے تو تمام ساعات اور تمام لمحات مساوی ہیں: لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ (۱)۔ لہذا کیونکہ میں نے رات جاگ کر گزاری ہے، بہت زوروں کی نیند آ رہی ہے، کیوں نہ آدھے گھنٹے پہلے نماز پڑھ لوں۔

نہیں جناب، وقت کی پابندی ضروری ہے۔ اپنے مقررہ وقت کے علاوہ کسی دوسرے وقت میں نماز نہیں پڑھی جا سکتی۔

کیا خدا کی نظر میں اس وقت یا اس وقت کے درمیان کوئی فرق ہے؟ نہیں۔۔ ہاں، آپ کے لئے فرق ہے۔ نماز کے ذریعے آپ کی تربیت مقصود ہے، اگر آپ رات کو دو بجے تک بھی بیدار رہے ہیں، تب بھی آپ کو طلوعین کے درمیان اٹھ کر نماز ادا کرنی چاہئے۔ یہی حال ظہر اور عصر کی نمازوں کا ہے (یہ بھی) قبل از وقت قبول نہیں، وقت گزرنے کے بعد بھی قبول نہیں۔ مغرب اور عشاء کی نمازوں میں بھی ایسا ہی ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ نماز تو عبادت ہے، خدا پرستی ہے، بھلا خدا پرستی کو ان معاملات سے کیا سروکار؟

نہیں جناب، اسلام میں خدا پرستی ان مسائل سے مربوط ہے۔ اسلام عبادت و پرستش اور دوسرے مسائل کے درمیان تفریق کا قائل نہیں۔

(ممکن ہے کوئی کہے کہ) میں نماز پڑھتا ہوں، لیکن نماز کے دوران گریہ بھی کرنا چاہتا ہوں۔ میں مصیبت میں مبتلا ہوں، پریشانی کا شکار ہوں، چاہتا ہوں کہ نماز کے درمیان کچھ آنسو بہا لوں۔ یا کوئی بات میرے ذہن میں آ جائے، کوئی چیز دیکھوں اور ہنس پڑوں

۱۔ اسے نہ نیند آتی ہے اور نہ اونگھ۔ سورۂ بقرہ ۲۔ آیت ۲۵۵۔

(اگر ایسا کروں) تو کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے۔

نہیں جناب! ایسا نہیں ہے۔ نماز احساسات کو ضبط کرنے کا مظہر ہے' حالت نماز میں جب آپ ایک نقطے کی سمت متوجہ ہوں تو اسی نقطے کی سمت متوجہ رہنا چاہئے۔ نہ دائیں' نہ بائیں' نہ پیچھے حتیٰ کہ ادھر ادھر دیکھنے کا بھی حق نہیں' ایک چوکس (Alert) حالت میں کھڑے ہونا چاہئے۔

کیا نماز میں ہنسا اور رویا جا سکتا ہے؟

نماز کے دوران ہنسنے پر کیا حکم ہے؟

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی چیز عبادت کی روح سے متصادم نہیں۔ خدا کو یاد کرتے ہیں ساتھ ساتھ ہنسی آ رہی ہے تو ہنسنا چاہتے ہیں۔ رونا آ رہا ہے رونا چاہتے ہیں۔ یہ دوران نماز کوئی چیز کرنا چاہتے ہیں۔

نہیں جناب! آپ وہاں تھوڑی سی مدت کے لئے مشق کرنی چاہئے تاکہ ان دوران آپ کو اپنے پیٹ پر کنٹرول [illegible] دل ہو یا اپنے رونے پر کنٹرول ہو' ایسی ہی [illegible] شخصی [illegible] یہ اجتماعی مسائل میں سے ہے' لیکن عبادت ہے۔ کیونکہ اسلام میں عبادت' ترتیب' نظم و ضبط [illegible] ان اصول کی رعایت کئے بغیر مقبول نہیں۔

کیا سکون کے ساتھ جسم کے کھڑے ہونا چاہئے؟

بعض کہتے ہیں کہ [illegible] بات ہے [illegible] میں نماز کی حالت میں حمد اور سورے کی [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ساکت نہ ہو جائے اس وقت تک اللہ اکبر نہ کہو۔ اگر ہلتے ہوئے اللہ اکبر کہا تو نماز باطل ہو گی۔ پہلے سکون سے کھڑے ہو پھر اللہ اکبر کہو۔ اس کے بعد اگر ہلنا ہو تو ہلو لیکن ہلتے وقت کوئی حرف زبان سے ادا نہ کرو کوئی ذکر نہ کرو۔ اگر بالفرض تمہارے پاؤں میں درد ہو یا تمہارے کسی اور عضو میں تکلیف ہو تو خاموش ہو جاؤ، پرسکون ہو جاؤ جب ٹھہر جاؤ تو پھر ذکر شروع کرو بسم اللہ الرحمن الرحیم، الحمد للہ رب العالمین کہو۔ اگر نماز کے درمیان تمہارے پاؤں میں تکلیف ہو تو ٹھہر جاؤ، خاموش ہو جاؤ، اس کے بعد دوبارہ وہیں سے شروع کرو۔ (نماز) سکون اور اطمینان کے ساتھ ہونی چاہئے۔ اس دوران تمہاری روح بھی پرسکون ہو اور تمہارا جسم بھی۔

آتے ہیں نماز کے دوسرے حصوں کی طرف۔

نماز خدا کی جانب توجہ کا نام ہے۔ غیر خدا کی جانب توجہ شرک ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہم سے کہا گیا ہے کہ نماز میں کہو السلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین، (ہم پر اور تمام صالح بندگان خدا پر ہمارا سلام ہو)۔ اس طرح ہم خدا کے تمام صالح اور نیک بندوں سے یکجہتی، موافقت اور صلح و صفا کا اعلان کرتے ہیں۔ آج کی اصطلاح میں تمام اچھے لوگوں کے ساتھ مل جل کے باہمی محبت اور سلامتی کے ساتھ رہنے کا اعلان کرتے ہیں۔ حالت نماز میں کہتے ہیں کہ ہم کسی صالح بندۂ خدا سے دشمنی اور عداوت نہیں رکھتے۔ کیونکہ اگر ہم کسی صالح اور نیک انسان سے دشمنی اور عداوت رکھتے ہوں تو (اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم) خود صالح اور نیک نہیں۔

کچھ لوگوں کے خیال میں السلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین کہنا بھی عبادت کی روح، (جو بارگاہ الٰہی میں حضور قلب کا اظہار ہے) سے کوئی ربط نہیں رکھتا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں عبادت کی روح اور جسم تربیتی مسائل سے گندھے ہوئے ہیں۔

نماز پروردگار سے قرب کی سواری ہونے کے ساتھ ساتھ، تربیت کا مکتب و مدرسہ

بھی ہے۔ معنوی اور روحانی مسائل کے لحاظ سے انسان جتنا اپنے آپ کو اور دوسروں کو فراموش کرے بہتر ہے لیکن اجتماعی نقطہ نظر سے دوسروں کو فراموش نہ کرنا لازم اور ضروری ہے۔

سورہ حمد (۱) جو نماز کا لازمی جزو ہے اس میں ہم کہتے ہیں: اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ۔ یہ نہیں کہتے کہ ایاک اعبد و ایاک استعین ۔ ایاک اعبد' اصطلاحاً متکلم واحد ہے' اس کے معنی ہیں کہ خدایا! میں صرف تیری پرستش کرتا ہوں' صرف تجھ سے مدد لیتا ہوں' لیکن ہم یہ نہیں کہتے' بلکہ کہتے ہیں۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ یعنی خدایا ہم صرف تیری پرستش کرتے ہیں' صرف تجھ ہی سے مدد و استعانت طلب کرتے ہیں۔ یعنی کہتے ہیں: خدایا! میں تنہا نہیں ہوں' میں دوسرے تمام مسلمانوں کے ساتھ ہوں۔

اس طرح انسان عبادت کی حالت میں اسلامی معاشرے سے اپنی وابستگی اور پیوستگی کا اظہار کرتا ہے۔ کہتا ہے۔ خدایا میں ایک فرد نہیں ہوں' ایک نہیں ہوں' میں عضو ہوں' کل کا ایک جزو اور ایک بدن کا حصہ۔ ''ہم'' ہوں' ''میں'' نہیں ہوں۔ دنیائے اسلام میں ''میں'' نہیں پایا جاتا ''ہم'' پایا جاتا ہے۔

ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں' صرف تجھ سے مدد کے خواستگار ہیں۔

خدا کی کبریائی

نماز کے دوسرے حصے بھی اسی طرح ہیں' ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ ایک درس ہے' تذکر اور یاد دہانی ہے۔

۱۔ ہر نماز میں سورہ حمد پڑھنا ضروری ہے۔ لا صلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب (بغیر سورہ فاتحہ کے نماز درست نہیں)۔ دوسرے سورے کی جگہ پر کسی بھی سورے کا انتخاب کیا جا سکتا ہے لیکن سورہ حمد پڑھنا لازم ہے۔

مثلاً آپ ''اللہ اکبر'' کے لفظ پر غور کیجئے۔

آخر وہ کونسا انسان ہے جو کسی عظیم شے کا سامنا ہونے پر اس سے مرعوب نہ ہو؟ انسان میں خوف پایا جاتا ہے۔۔۔ جب وہ کسی پہاڑ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے یا اسکی چوٹی پر کھڑے ہو کر نیچے نگاہ ڈالتا ہے، تو اس پر خوف طاری ہو جاتا ہے۔ سمندر کی بپھری ہوئی موجیں دیکھ کر خوفزدہ ہو جاتا ہے۔ جب کسی صاحب قدرت و ہیبت ہستی کو دیکھتا ہے، دبدبے اور جاہ و حشم کی مالک کسی ہستی کا سامنا کرتا ہے، یا اسکی خدمت میں جاتا ہے، تو ممکن ہے اسکے حواس باختہ ہو جائیں، اسکی زبان میں لکنت آجائے۔

ایسا کیوں ہوتا ہے؟۔۔ اس لئے کہ وہ اس کی عظمت و ہیبت سے مرعوب ہو جاتا ہے۔ یہ انسان کے لئے ایک طبعی بات ہے۔

لیکن اللہ اکبر کہنے والا شخص، ایسا شخص جو اپنے آپ کو خدا کی کبریائی کی تلقین کرتا ہے، اسے کسی چیز یا کسی ہستی کی عظمت مرعوب نہیں کرتی۔ کیوں؟ کیونکہ ''اللہ اکبر'' یعنی ہر چیز سے بڑی بلکہ ہر توصیف سے بڑی ذات، ذات اقدس الہی ہے، یعنی اس بات کا اظہار کہ میں خدا کو عظیم سمجھتا ہوں، اور جب میں خدا کو عظیم سمجھتا ہوں تو اسکے معنی یہ ہیں کہ میرے سامنے اس کائنات کی تمام اشیا حقیر ہیں۔ اللہ اکبر کا لفظ انسان کو شخصیت عطا کرتا ہے، انسان کی روح کو بزرگی اور بلندی عطا کرتا ہے۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں عظم الخالق فی انفسهم فصغر ما دونه فی اعینهم، (خالق ان کی نگاہ میں اس قدر عظیم ہے کہ ساری دنیا ان کی نگاہوں سے گر گئی ہے۔ نہج البلاغہ - خطبہ ۱۹۱)۔ یعنی خدا اہل حق کی روح میں جلوہ افروز ہے لہذا ان کی نظر میں خدا کے سوا ہر چیز پست اور معمولی ہے۔

اس مقام پر آپ کے لئے ایک وضاحت عرض ہے:

چھوٹا اور بڑا ہونا ایک نسبی (Relative) امر ہے۔ مثلاً آپ حضرات جو اس

ہال میں تشریف فرما ہیں اگر یہاں آنے سے پہلے اس سے ایک چھوٹے ہال میں (مثلاً اس سے ایک تہائی چھوٹے ہال میں) بیٹھے ہوئے تھے تو یہ ہال آپ کو بہت بڑا محسوس ہو گا لیکن اگر اس کے برعکس پہلے آپ ایک ایسے ہال میں بیٹھے ہوں جو اس ہال سے تین گناہ بڑا تھا تو جب وہاں سے یہاں آئیں گے تو آپ کو یہ ہال بہت چھوٹا معلوم دے گا۔

انسان جب بھی مختلف چیزوں کی چھوٹائی اور بڑائی کا موازنہ کرتا ہے تو ان میں چھوٹی دکھائی دینے والی چیزوں کو چھوٹا اور بڑی نظر آنے والی چیزوں کو بڑا قرار دیتا ہے۔ لہذا ایسے افراد جو اپنے پروردگار کی عظمت و بزرگی سے آشنا ہیں اور اسکی عظمت کو محسوس کرتے ہیں ان کی نظر میں خدا کے سوا ہر چیز حقیر اور چھوٹی ہے بڑی نہیں ہوسکتی۔ سعدی نے بوستان میں بہت عالی بات کی ہے:

رہ عقل جز پیچ در پیچ نیست — بر عارفان جز خدا ہیچ نیست

سعدی کہتے ہیں: اہل عرفان خدا کے سوا کسی چیز کی حیثیت کے قائل نہیں وہ کہتے ہیں کہ کسی اور چیز کا سرے سے وجود ہی نہیں۔

''وحدت الوجود'' کے ایک معنی یہی ہیں کہ جب عارف کے سامنے خدا کی عظمت اور بزرگی واضح ہو جاتی تو وہ کسی بھی صورت میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کے سوا کسی اور چیز کا بھی وجود ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر ''وہ'' وجود ہے تو ''اس'' کے سوا جو کچھ ہے وہ عدم ہے۔ سعدی نے بھی وجود کے یہی معنی بیان کئے ہیں۔ بعد میں کہتے ہیں:

توان گفتن این با حقایق شناس — ولی خردہ گیرند اہل قیاس

حقیقت شناس لوگ جانتے ہیں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں لیکن وہ لوگ جو (ان کے خیال میں) اہل قیاس ہیں وہ ان پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وحدت وجود کس شئے کا نام ہے؟

کہ پس آسمان و زمین چیستند — بنی آدم و دیو و دد کیستند

اگر خدا کے سوا کسی اور چیز کا وجود نہیں، تو پھر زمین کیا ہے؟ آسمان کیا ہے؟ بنی آدم کیا ہے؟ دیو اور دد کیا ہے؟

پسندیده پرسیدی ای هوشمند — جوابت بگویم درایت پسند
که خورشید و دریا و کوه و فلک — پری و آدمیزاد و دیو و ملک
همه هرچه هستند از آن کمترند — که با هستیش نام هستی برند

کہتے ہیں میں جب یہ کہتا ہوں کہ خدا کے سوا کچھ وجود نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ آسمان و زمین، انسان اور فرشتے کسی بھی شے کا وجود نہیں۔ تم کہتے ہو کہ میں دوسری اشیاء کے وجود کا منکر ہو گیا ہوں، نہیں، ایسا نہیں ہے بلکہ اس (خدا) کی عظمت کو جان لینے کے بعد میں اس کے سوا جس چیز کو بھی دیکھتا ہوں اسے ذاتی قرار دینے سے خود کو عاجز پاتا ہوں۔

که جایی که دریاست من چیستم — گر او هست حقا که من نیستم

جب آپ ''اللہ اکبر'' کہتے ہیں تو اگر اپنی روح اور دل کی گہرائی سے کہیں گے تو خدا کی عظمت آپ کے سامنے مجسم ہو جائے گی۔ اگر آپ کے دل میں خدا کی عظمت و بزرگی پیدا ہو جائے تو پھر آپ کی نظر میں کسی اور کا عظمت و بزرگی کا حامل ہونا محال ہوگا، محال ہے کہ آپ کسی اور سے خوف کھائیں، کسی اور کے سامنے خضوع وخشوع کا اظہار کریں۔

یہی وہ چیز ہے جس کی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ خدا کی بندگی انسان کو آزادی عطا کرتی ہے۔ اگر انسان خدا کی عظمت اور بزرگی کو جان لے، تو اسکا بندہ بن جاتا ہے اور خدا کی بندگی کا لازمہ خدا کے سوا ہر کسی سے آزادی ہے:

نشوی بنده تا نگردی حر — نتوان کرد ظرف پر را پر
چند گویی که بندگی چه بود — بندگی جز شکندگی نبود

[illegible]

[illegible] سبحان ربی العظیم [illegible]
[illegible] سبحان ربی الاعلی [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] منها خلقناکم و فیها
نعیدکم و منها نخرجکم تارۃ اخری [illegible]
[illegible] سورۂ طہ ۲۰ [illegible]

۵۵)۔ اور پھر فرمایا کہ پہلی مرتبہ سجدے میں سر رکھ کر جب اوپر اٹھاتے ہو تو یہ مطلب اس بات کا اظہار ہے کہ منها خلقناکم (تم سب خاک سے خلق ہوئے ہیں) تمہارے اس پورے پیکر کی بنیاد خاک ہے اور تم جو کچھ بھی ہیں وہ اسی خاک سے وجود میں آئے ہیں۔ جب دوسری مرتبہ پیشانی خاک پر رکھتے ہو تو تمہارے ذہن میں یہ ہونا چاہیے کہ ایک دن تمہیں مر کر خاک میں واپس جانا ہے۔ اور جب دوبارہ خاک سے سر اٹھاتے ہو تو تمہارے ذہن میں ہونا چاہیے کہ ایک مرتبہ پھر اس خاک سے نکالے جاؤ گے۔

اہل خانہ کے حوالے سے ذمے داری

ایک اور نکتے کا ذکر بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ

میں اس بات پر زور دینا چاہتا ہوں کہ نماز دین کا ستون ہے اور ہم کو یہ بات بھی معلوم ہونی چاہیے لیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ہم اپنی نماز کے ذمہ دار ہیں لیکن اپنے بیوی بچوں کی نماز کے ذمہ دار نہیں۔ ہم میں سے ہر فرد اپنی نماز کا بھی ذمہ دار ہے اور اپنے اہل خانہ کی نمازوں کا بھی نیز اپنے بیوی بچوں کی نماز کا ذمہ دار بھی۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب ہے کہ وامر اهلک بالصلوة واصطبر علیها (۱)۔ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیجئے اور خود بھی اس کے بارے میں صابر رہئے۔ یہ (حکم) صرف پیغمبر کے لئے نہیں ہے بلکہ ہم سب اس بارے میں ذمہ دار ہیں۔

بچوں (خصوصاً کم سن بچوں) کے ساتھ یہ بات

اس سلسلے میں پورے اہتمام کے ساتھ ... اپنے ... کرنا چاہئے۔

۱۔ سورہ طٰہٰ، آیت ۱۳۲۔

بچوں کو سات سال کی عمر سے نماز کی مشق کرائیں۔ ظاہر ہے کہ سات سالہ بچہ صحیح طور سے نماز نہیں پڑھ سکتا۔ البتہ وہ نماز کی حرکات و سکنات ادا کر سکتا ہے۔ اسی عمر سے نماز کا عادی ہو سکتا ہے۔ (نمونہ نماز کا ویڈیو دیکھیں) ۔ یعنی جو بچے پرائمری کلاس میں آتے ہیں انہیں سکول میں نماز سکھانی چاہیے۔ گھر میں بھی انہیں نماز سکھانا چاہیے۔ البتہ ایک بات پر توجہ رہے اور وہ یہ ہے کہ بچے کو ڈانٹ ڈپٹ اور زبردستی نماز سکھانا یا اس طرح نماز پر آمادہ کرنا نتیجہ خیز نہیں ہوتا۔

کوشش کیجیے کہ آپ کے بچے ابتدا ہی سے شوق اور رغبت کے ساتھ نماز پڑھیں۔ آپ ان کے اندر نماز کے لئے شوق پیدا کریں۔ جس طرح بھی ممکن ہو بچوں کے شوق کے اسباب فراہم کریں تاکہ وہ ذوق و شوق سے نماز پڑھیں۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ [illegible] محبت پیدا ہو جاتی ہے۔

ضرورت ہے کہ بچے کو اچھے ماحول میں رکھا جائے جس میں اس کے اندر نماز پڑھنے کا شوق پیدا ہو۔ [illegible] اور لوگوں کو باقاعدگی سے نماز پڑھتے نہ دیکھے تو اس میں نماز کا شوق پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ درحقیقت [illegible] انسان میں شوق پیدا کرتی ہے۔ [illegible] جب بچہ آپ کو عبادت گزاروں کے ساتھ پاتا ہے تو اس میں بھی عبادت کی روح پیدا [illegible] ہوتا ہے۔

افسوس کہ ہماری عبادت گاہوں اور دینی محافل میں بچوں کو کم لایا جاتا ہے اور بچوں کے [illegible] میں شرکت کرنے کی بجائے ان میں [illegible] عبادت کی محبت پیدا نہیں ہوتی۔ یہ محبت پیدا کرنا آپ کی ذمہ داری ہے۔

[illegible] کہ اچھے بچوں کو نماز کی تلقین کرو تو اس سے [illegible]

آپ آقاؤں کے سے انداز میں انہیں حکم دیں، ڈرائیں، دھمکائیں [illegible]
چاہیں نہیں [illegible] آپ [illegible]
آپ [illegible] بچوں [illegible] جانب راغب [illegible]
میں مفید [illegible] ہوگا۔

ہمیں اپنے بچوں کے ساتھ مسجد جانے کا اہتمام کرنا چاہیے تو [illegible]
[illegible]
تھے اب آج کے ان حالات میں کس قدر مسجد جاتے ہیں؟ ہمارے بچے سات برس کی عمر
سے اسکول جاتے ہیں [illegible]
قدر [illegible]
[illegible]
اچھی [illegible] مثلاً (قرآن، اذان، مسجد وغیرہ) [illegible] (اس
[illegible] آسان چیزوں (مساجد اور مقابر) کو
[illegible]
[illegible]

[illegible] کہ ہم خود اپنی نماز کی [illegible] فرض
[illegible]
ان میں نماز کی جانب رغبت اور لگاؤ پیدا کریں جس قدر ممکن ہو نماز [illegible]
[illegible] اپنے بچوں کو [illegible] لیں۔

قرآن کریم کہتا ہے کہ جب مجرمین اہل جہنم سے [illegible] تو ان سے پوچھا
جائے گا: ما سلککم فی سقر (کس چیز نے تمہیں اس جہنم میں پہنچا دیا ہے) قالوا لم
نک من المصلین ولم نک نطعم المسکین (کہیں گے ہم نماز نہیں پڑھتے تھے، نہ مسکین

کو کھانا نہیں کھلاتے تھے) وَ کُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَآئِضِینَ (لغو باتوں کی جگہ پر جاتے تھے۔سورۂ مدثر ۷۴۔آیت ۴۲ تا ۴۵) یہاں کہیں بھی دین مخالف باتیں کی جاتی تھیں' وہاں جا کر انہیں سنتے تھے'یا خود ایسی باتیں کرتے تھے۔اور یہ اسی کا نتیجہ ہے۔

یہاں سے سمجھ لیجئے کہ اسلام میں نماز کو اس قدر اہمیت کیوں حاصل ہے؟ کیوں پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا ہے کہ نماز اس خیمے کا ستون ہے؟ اسکی وجہ یہ ہے کہ اگر نماز قائم ہو اور اسکا صحیح صحیح اجراء ہو تو ہر چیز ٹھیک ہو جائے۔

حضرت علیؑ نے اپنی آخری وصیتوں میں' جنہیں آپ نے بارہا سنا ہوگا اور جو اللہ اللہ سے شروع ہوتی ہیں (یہ وصیتیں کرنے کے چند ہی لمحے بعد آپؑ نے جان' جان آفرین کے سپرد کر دی تھی)۔انہی وصیتوں میں آپؑ نے نماز کے بارے میں فرمایا: اللہ اللہ بالصلاۃ فانھا عمود دینکم (نماز کے بارے میں اللہ سے ڈرنا کیونکہ وہ تمہارے دین کا ستون ہے۔نہج البلاغہ۔مکتوب ۴۷)

روز عاشورا کے بارے میں آپ نے سنا ہوگا اور جانتے ہوں گے کہ زیادہ تر شہادتیں ظہر کی نماز کے بعد واقع ہوئیں۔یعنی ظہر کے وقت تک حضرت امام حسینؑ کے اکثر اصحاب' تمام بنی ہاشم اور خود امام حسینؑ (جو سب سے آخر میں شہید ہوئے) زندہ تھے۔ظہر سے پہلے امام حسینؑ کے فقط تیس اصحاب' دشمن کی طرف سے ہونے والی ایک تیر اندازی میں شہید ہوئے تھے' لہٰذا آپؑ کے لشکر کے باقی دوسرے افراد ظہر کے وقت تک بقید حیات تھے۔

اصحاب امام حسینؑ میں سے ایک شخص کو خیال آیا کہ ظہر کی نماز کی ادائیگی کا اول وقت آ پہنچا ہے۔وہ امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: یا ابا عبداللہ! نماز کا وقت ہو چلا ہے ہمارا دل چاہتا ہے کہ آپ کی اقتدا میں آخری نماز جماعت ادا کریں۔امامؑ نے نظر اٹھا کر (آسمان کی طرف) دیکھا اور ان سے وقت ہو چکنے کی تصدیق کی۔ساتھ ہی کہا کہ

فرمایا: ذَكَرْتَ الصَّلوٰةَ یا: ذَكَّرْتَ الصَّلوٰةَ۔ اگر ''ذَكَرْتَ'' کہا ہو تو معنی ہوں گے کہ تمہیں نماز یاد آئی' اور اگر ''ذَكَّرْتَ'' کہا ہو تو معنی کئے جائیں گے کہ تم نے مجھے نماز یاد دلائی ذَكَّرْتَ الصَّلوٰةَ جعلک اللّٰہ مِنَ الْمُصَلِّین (تم نے نماز یاد دلائی' خدا تمہیں نماز گزاروں میں سے قرار دے)

تصور کیجئے کہ ایک ایسا شخص جو سر بکف ہے' اپنی جان ہتھیلی پر رکھے ہے' ایسے مجاہد کے بارے میں امام دعا فرما رہے ہیں کہ خدا تمہیں نماز گزاروں میں سے قرار دے۔ دیکھا آپ نے حقیقی نماز گزار کتنا عظیم مقام رکھتا ہے۔

فرمایا: ہاں' ہم نماز پڑھیں گے' اسی جگہ میدان جنگ میں نماز پڑھیں گے۔

اس موقع پر ایسی نماز پڑھی گئی جسے فقہ میں ''نمازِ خوف'' کہا جاتا ہے۔ نمازِ خوف' مسافر کی نماز کی مانند چار رکعت کی بجائے دو رکعت ہوتی ہے۔ یعنی انسان اگر اپنے وطن میں بھی ہو تو اسے دو رکعت ہی پڑھنا چاہئے۔ کیونکہ حالات سازگار نہیں لہٰذا یہاں مختصر نماز پڑھنی چاہئے' اس لئے کہ تمام افراد کے نماز میں مشغول ہو جانے کی وجہ سے دفاع کی صورتحال خراب ہو جائے گی۔ سپاہیوں کا فرض ہے کہ اس نماز کے دوران آدھے سپاہی دشمن کا مقابلہ کریں اور آدھے امام جماعت کی اقتداء میں نماز پڑھیں۔ امام جماعت ایک رکعت پڑھنے کے بعد ٹھہرتا ہے تاکہ مقتدی اپنی دوسری رکعت پڑھ لیں۔ اسکے بعد وہ جا کے اپنے دوسرے ساتھیوں کی جگہ لے لیتے ہیں۔ جبکہ امام اسی طرح بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر ان کا انتظار کرتا ہے۔ پھر دوسرے سپاہی آتے ہیں اور امام کی دوسری رکعت کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں۔

امام حسینؑ نے اسی طرح نمازِ خوف ادا کی۔ لیکن امامؑ کو ایک خاص صورتحال درپیش تھی۔ کیونکہ آپؑ دشمن سے زیادہ فاصلے پر نہ تھے۔ لہٰذا آپؑ کی حفاظت کرنے والا گروہ آپؑ کے بالکل سامنے کھڑا ہوا تھا' جبکہ بے حیا اور بے شرم دشمن نے انہیں نماز تک سکون

سے نہ پڑھنے دی۔ آپ نماز میں مشغول تھے کہ دشمن نے تیر اندازی شروع کر دی' آپ پر دو قسم کی تیر اندازی کی گئی' ان میں سے ایک زبان کی تیر اندازی تھی۔ دشمن کے ایک سپاہی نے چیخ کر کہا: حسین! نماز نہ پڑھو' تمہاری نماز کا کوئی فائدہ نہیں' تم اپنے زمانے کے امام (یزید) کے باغی ہو' لہٰذا تمہاری نماز قبول نہ ہو گی (نعوذ باللہ)۔ جبکہ دوسری تیر اندازی معمول کے مطابق کمانوں سے پھینکے جانے والے تیروں کی تھی۔ امام حسینؑ کے وہ ساتھی جنہوں نے اپنے آپ کو امامؑ کی ڈھال بنایا ہوا تھا ان میں سے ایک دو اصحاب (تیر لگنے کی وجہ سے) خاک پر گر پڑے۔ ان میں سے ایک سعید بن عبداللہ حنفی اس وقت گرے جب امام حسینؑ اپنی نماز تمام کر چکے تھے۔ وہ جانکنی کے عالم میں تھے کہ امامؑ ان کے سرہانے پہنچے۔ انہوں نے امامؑ کو اپنے سرہانے دیکھ کر ایک عجیب جملہ کہا' عرض کیا: یـا ابـا عبداللہ! اوفیـت (اے ابا عبداللہ! کیا میں نے وفا کی؟)۔ یعنی' اب اس حال میں بھی ان کے ذہن میں یہ بات تھی کہ امام حسینؑ کا حق اس قدر بلند و بالا ہے کہ اس کی ادائیگی کے لئے ایسی گرانقدر فداکاری بھی شاید کافی نہ ہو۔

صحرائے کربلا میں ابوعبداللہ الحسینؑ نے اس انداز سے نماز ادا کی۔

ابا عبداللہ نے اس نماز میں تکبیر کہی' ذکر کیا' سبحان اللہ کہا' بحول اللہ و قوتہ اقوم و اقعد کہا' رکوع و سجود کئے۔ اس نماز کے دو تین گھنٹے بعد امام حسینؑ کے لئے ایک دوسری نماز پیش آئی' دوسرا رکوع پیش آیا' دوسرے سجود پیش آئے۔ ایک دوسرے انداز سے آپ نے ذکر کیا۔ آپؑ کا رکوع اس وقت ہوا جب ایک تیر آپؑ کے مقدس سینے میں اترا اور آپؑ اسے اپنی پشت کی طرف سے نکالنے پر مجبور ہوئے۔

کیا آپ کو پتا ہے کہ ابا عبداللہ کے سجود کی کیا صورت تھی؟ آپؑ نے پیشانی پر سجدے نہیں کئے' کیونکہ آپؑ بے بس ہو کر گھوڑے سے زمین پر گرے تھے' لہٰذا آپؑ نے اپنا دایاں رخسار کربلا کی گرم ریت پر رکھا۔

اس موقع پر ابا عبداللہ کا ذکر تھا: بِسْمِ اللہِ وَ باللہ و علی مِلّۃ رَسُولِ اللہِ، ولا حَوْلَ ولا قُوَّۃَ اِلاَّ بِاللہ العلی العظیم وصلّی اللہ علی محمد و آلہِ الطّاہرین''

بسمک العظیم الاعظم۔

خدایا! ہماری عاقبت خیر فرما، ہم سب کو اپنی عبادت، عبودیت اور بندگی کی توفیق کرامت فرما۔

خدایا! ہمیں حقیقی نماز گزاروں میں سے قرار دے، ہم سب کی نیتوں کو خالص کر دے۔ ہمیں شیاطین جن وانس کے شر سے محفوظ فرما۔

خدایا! ہم سب کے مرحومین کی مغفرت فرما۔ رحم اللہ من قرأ الفاتحۃ مع الصّلوات۔

۞ ۞ ۞